وقد اخذ ميثاقكم ان كنتم مؤمنين

اس شمارے میں ڈاکٹر اسرار احمد کا مذاکرہ و تبصرہ

تنظیم اسلامی اور علماء کرام

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی

۳۶-کے ماڈل ٹاؤن — لاہور

PEPSI

MIRINDA

پنجاب بیوریجز کمپنی لمیٹڈ۔ فیصل آباد۔ فون: ۲۶۰۳۴ / ۲۳۹۳۱

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن

مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی

حافظ عاکف سعید

جلد ــــــ ۳۴

شمارہ ــــــ ۹

ستمبر ۱۹۸۵ء

مطابق

ذی الحجہ ۱۴۰۵ھ

زر سالانہ ۳۰ روپے

فی شمارہ ۳/- روپے

مکتبہ تنظیم اسلامی ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۱۴ فون ۸۵۲۶۸۳

سب آفس: ۱۱- داؤد منزل، نزد آرام باغ، شاہراہ لیاقت کراچی: فون ۶۱۶۵۸۶

چودھری رشید احمد

مشمولات

- تذکرہ وتبصرہ ——— ۸
  ڈاکٹر اسرار احمد
- دل افگندیم بسم اللہ مجرھا و مرسٹھا ——— ۴۷
  مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی
- الھدیٰ (۲۴ ویں نشست) ——— ۷۱
  'اثباتِ آخرت سورۃ قیامہ کی روشنی میں'
  ڈاکٹر اسرار احمد
- تنظیم اسلامی کے سہ روزہ علاقائی اجتماع کی روداد ——— ۸۱
  عبد الرزاق
- خطوط و نکات ——— ۹۱
  مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی بیشاق میں شائع شدہ گفتگو سے متعلق دو نہایت اہم و صاحتی خطوط
- 'سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا؟' ——— ۹۷
  'حساس' کے قلم سے
- افکار و آراء ——— ۱۰۷
  i) مکتوب گرامی ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی
  ii) روبرو سے متعلق مولانا اخلاق حسین قاسمی مدظلہٗ کے تاثرات

براہِ کرام خط و کتابت کے موقع پر اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے!

تفصیلی پروگرام

علاقائی اجتماع

تنظیمِ اسلامی

سندھ و بلوچستان

بمقام:

کوئٹہ

۱۳ تا ۱۶ ستمبر ۸۵ء

جمعہ تا سوموار

زیرِ اہتمام

تنظیمِ اسلامی کوئٹہ

دفتر: کمرہ ۲۷، ۲۸ سید بلڈنگ بالمقابل پبلک ہیلتھ سکول جناح روڈ کوئٹہ

کوئٹہ میں ڈاکٹر اسرار احمد کے خطاباتِ عام

(۱)

۸ر ستمبر بعد نماز مغرب، سنٹرل گورنمنٹ سروینٹس کالونی

عنوان: "جہاد بالقرآن"

(۲)

خطابِ جمعہ

۱۳ر ستمبر ساڑھے بارہ بجے قبل جمعہ

جامع مسجد ڈیری فارم، کوئٹہ کینٹ

(۳)

۱۳ر تا ۱۵ ستمبر روزانہ بعد نماز مغرب

درس قرآن مسجدِ طوبیٰ مسجد روڈ

تنظیمی و تربیتی پروگرام

بمقام اسلامیہ ہائی اسکول میکانگی روڈ

اس موقع پر ——— ان شاء اللہ العزیز

ڈاکٹر اسرار احمد

بلوچستان

کے حسب ذیل مقامات کا بھی دورہ فرمائیں گے اور درس قرآن دینگے۔

(۱)

خضدار

جامع مسجد خضدار کالونی ✻ ۹ ستمبر بعد نماز مغرب

(۲)

لورالائی

جامع مسجد تحصیل روڈ ✻ ۱۱ ستمبر بعد نماز مغرب

(۳)

پشین

جامع مسجد بند روڈ ✻ ۱۲ ستمبر بعد نماز عصر

زیادہ سے زیادہ تعداد میں خود بھی شرکت فرمائیں اور اعزہ واحباب کو بھی دعوت دیں کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کسی کی ہدایت کا ذریعہ بنادے۔

تنظیم اسلامی پاکستان کا علاقائی اجتماع

ان شاء اللہ العزیز

۲۴ تا ۲۷ ستمبر ۸۵ء پشاور

میں منعقد ہوگا۔ جس کا پروگرام حسب ذیل ہوگا:

★

خطاب عام ڈاکٹر اسرار احمد بعنوان: "اسلام کا فلسفہ شہادت"

جامع مسجد ہشت نگری، ہشت نگری چوک

منگلوار ۲۴ ستمبر بعد نماز عشاء

★

بقیہ تمام پروگرام

مرکز علوم اسلامی، راحت آباد، نزد فارسٹ کالج پشاور یونیورسٹی

میں منعقد ہونگے جو حسب ذیل ہیں:

(۱)

درس قرآن ڈاکٹر اسرار احمد سورۃ صف (کامل)

۲۵، ۲۶ ستمبر ۸۵ء بعد نماز مغرب

(۲)

درس قرآن حافظ عاکف سعید ایم اے (فلسفہ) فیلو قرآن اکیڈمی

(خلف الرشید ڈاکٹر اسرار احمد)

۲۵-۲۶-۲۷ ستمبر ۸۵ء بعد نماز فجر

(۳)

تربیتی پروگرام برائے کارکنان تنظیم اسلامی (شرکت کی عام اجازت ہے)

۲۵، ۲۶ ستمبر ۹ بجے صبح تا ایک بجے دوپہر

(۴)

نشست سوال و جواب

ڈاکٹر اسرار احمد

جمعہ ۲۷ ستمبر ۸۵ء ۹ بجے صبح تا ۱۱ بجے قبل دوپہر

(انتظامی ہدایات)

۱ - قیام کا انتظام بھی مرکز علوم اسلامیہ، راحت آباد ہی میں ہوگا۔

۲ - باہر سے تشریف لانے والے رفقاء و احباب ۲۴ ستمبر کو عشاء کے وقت تک ہشت نگری کی جامع مسجد میں پہنچ جائیں جو گورنمنٹ ٹرانسپورٹ کے بس اسٹینڈ اور پشاور سٹی ریلوے سٹیشن دونوں کے بہت قریب واقع ہے۔ رفقائے پشاور ان شاء اللہ سٹی اسٹیشن پر عوامی ایکسپریس اور تیز رو دونوں گاڑیوں سے آنے والوں کے استقبال کا اہتمام کریں گے — ان تمام حضرات کو قیام گاہ تک پہنچانا مقامی رفقاء کی ذمہ داری ہوگی۔ بعد میں آنے والے حضرات وہاں پہنچنے کے از خود ذمہ دار ہوں گے۔

المعلن: اشفاق احمد میر، امیر تنظیم اسلامی، پشاور

۵/بی-۱، پاک روڈ، یونیورسٹی ٹاؤن، پشاور (فون: ۴۱۸۶۱)

اسرار احمد

تذکرہ و تبصرہ

قارئینِ میثاق، اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ راقم الحروف نے اپنی زندگی کو غلبۂ اقامتِ دین کی جس جدوجہد کے لئے وقف کیا ہے اُس کے ضمن میں اُسے علماء کرام کی سرپرستی اور تعاون کی ضرورت کا شدّت کے ساتھ احساس ہے۔ اور اس سلسلے میں یوں تو اگرچہ وہ اہلِ علم کے تمام سلسلوں اور خانوادوں کے دَر کا سوالی ہے اور سب ہی کی خدمت میں کشکول بدست حاضری اُس کے پروگرام میں شامل ہے تاہم ابتداءً اُسے سب سے زیادہ توقع علماء کرام کے اُن حلقوں سے ہے جن کا براہِ راست یا بالواسطہ تعلّق حضرت شیخ الہندؒ سے ہے کہ اُن سے منسلک بزرگ اور معمّر علماء اُس کی سرپرستی فرمائیں گے اور غلطیوں پر متنبّہ فرمائیں گے اور صحیح باتوں کی تائید و توثیق کریں گے ورنہ کم از کم دُعاءِ خیر سے ضرور نوازیں گے اور نوجوان علماء اُس کے ساتھ عملی تعاون کے لئے پیشقدمی کریں گے اور اُس کے دست و بازو بنیں گے ـــــ لیکن افسوس کہ گزشتہ سال کے دوران اس ضمن میں جو تحریریں راقم کے قلم سے نکل کر 'میثاق' میں شائع ہوئیں اُن کے حوالے سے بعض ضمنی اور فروعی مباحث کا سلسلہ اسقدر طول اختیار کر گیا کہ کم از کم وقتی طور پر اصل مقصد غت ربود ہو گیا اور بظاہر احوال صورت یہ بن گئی کہ ؎

خدایا جذبۂ دل کی مگر تاثیر الٹی ـــــ ہے
کہ جتنا کھینچتا ہوں اور کھنچتا جائے ہے مجھ سے!

اس ضمن میں اس امر کا فیصلہ تو مستقبل کرے گا کہ اس صورتِ حال کے پیدا ہونے میں کس قدر دخل راقم کے قصورِ فہم یا عجزِ بیان کو حاصل ہے اور کس قدر علماءِ حق کے بار بار کے تلخ تجربات کی بنا پر ضرورت سے زیادہ حسّاس بلکہ متوحّش

ہونے کو' اور کسقدر بعض علماء سوء کی ریشہ دوانیوں کو ——— بہر حال راقم اس معاملے میں ہرگز مایوس یا بددل نہیں ہے اور اگرچہ اُس کے بہت سے رفقاء نے اسے پورے شدومد کے ساتھ مشورہ دیا ہے کہ اس سعیٔ لاحاصل میں وقت ضائع مت کرو بلکہ بعض اکابر جو خود علماء ہی کے حلقے سے تعلق رکھتے ہیں اُن کی بھی یہ رائے سامنے آئی ہے کہ اپنے کام سے کام رکھو اور علماء سے نہ کوئی معارضہ کرو نہ تعارض یا تعرض ——— تاہم راقم کا فیصلہ یہی ہے کہ اس سلسلے میں اُس کی کوششیں بھرپور طور پر جاری رہیں گی - اور اسے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اپنے خلوص و اخلاص کی بنا پر یقین ہے کہ وہ علماءِ حق کا اعتماد حاصل کرنے میں ضرور کامیاب ہو گا - ان شاء اللہ العزیز!

اس ضمن میں اس امر کی صراحت ضروری ہے کہ اس میں راقم نہ کسی تکلف یا تصنع سے کام لے رہا ہے نہ ہی کوئی وقتی مصلحت اس کی داعی بنی ہے بلکہ الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ یہ راقم کے مزاج اور افتادِ طبع کا جزو لاینفک ہے -
راقم نے بارہا ذکر کیا ہے کہ بالکل نوعمری میں جبکہ راقم ابھی ہائی اسکول کا طالب علم تھا اُس کا حال یہ تھا کہ اگرچہ اس کا فکری و جذباتی تانا بانا کل کا کل علامہ اقبال مرحوم کی ملی شاعری سے بنا تھا اور اسی بنا پر اُس کی عملی وابستگی تحریک پاکستان کے ساتھ تھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ اُس نے نہ صرف یہ کہ مولانا مودودی مرحوم کے بہت سے کتابچے پڑھے تھے اور مسلم لیگ اور مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے حلقوں میں وہ اُن کی جانب سے مدافعت کیا کرتا تھا بلکہ لیگی حلقوں کی اُس وقت کی مبغوض ترین شخصیت یعنی مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی بعض کتابیں (جن کے نام غالباً مضامین الہلال اور مقالات ابوالکلام تھے) میں نے ماسٹر غلام محمد بھٹی مرحوم سے لے کر کچھ سمجھ کر اور کچھ بے سمجھے بوجھے پڑھیں تھی -
پھر جماعتِ اسلامی کی تحریک کے ساتھ دس سالہ شدید فعال وابستگی کے دوران بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے راقم "حُبّكَ الشئَ يُعميكَ وَ

یُصیــؔو" کا مصداق نہیں بنا۔ چنانچہ ۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے ضمن میں راقم کی رائے یہ ہی تھی جس کا اُس نے برملا اظہار بھی کیا تھا کہ اس معاملے میں جماعت نے شدید بے اصولے پن کا مظاہرہ کیا ہے، پھر جب بعض فقہی مسائل میں مولانا مودودی مرحوم اور مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی رح کے مابین علمی مناظرہ ہوا تو اُس کے ضمن میں بھی راقم نے برملا کہا کہ مولانا کو کھلی شکست ہوئی ہے۔ پھر جب مولانا نے حضرت مدنی رح کی خود نوشت سوانح حیات (نقش حیات) پر تنقید کی تو راقم نے اصل کتاب جامعہ رشیدیہ ساہیوال سے حاصل کر کے پڑھی اور جماعتِ اسلامی کے اجتماعِ ارکان میں برملا کہا کہ اس معاملے میں مولانا سے علمی خیانت کا صدور ہوا ہے! —— پھر جب راقم کی رائے یہ ہی کہ جماعت اسلامی اپنے اصل انقلابی طریق کار سے منحرف ہو کر غلط رُخ پر چل نکلی ہے تو سب جانتے ہیں کہ راقم نے کس جرأت کے ساتھ اس کا اظہار کیا یہاں تک کہ ماچھی گوٹھ میں خود مولانا مودودی مرحوم کے بالمقابل اپنی رائے کو پیش کرنے کی بھرپور کوشش کی! یہ دوسری بات ہے کہ اس وقت اُس کی بات نقار خانے میں طوطی کی صدا بن کر رہ گئی!

اس سلسلہ کا ایک واقعہ یاد آیا۔ یہ ۵۲-۵۳ء کی بات ہے۔ راقم میڈیکل کالج کا طالب علم تھا اور اسلامی جمعیت طلبہ کا ناظم اعلیٰ —— راقم کے دو کلاس فیلو جن میں سے ایک حیدر شاہ صاحب پاکستان کی موجود الوقت معروف اور مقتدر دینی شخصیت پیر کرم شاہ صاحب کے حقیقی برادر خورد تھے اور دوسرے محبوب شاہ صاحب اُن کے چچازاد بھائی، —— یہ دونوں حضرات جماعتِ اسلامی کے شدید ترین مخالف تھے بلکہ "نقل کفر کفر نباشد" کے مصداق نقل کر رہا ہوں کہ وہ "ایک مودودی، سو یہودی" کا نعرہ لگایا کرتے تھے —— تو میں نے ایک بار اُن سے عرض کیا تھا کہ "شاہ صاحب ہم مولانا مودودی کے پیچھے اندھے بہرے ہو کر نہیں چل رہے ہیں بلکہ الحمد للہ کہ کھلی آنکھوں اور بیدار ذہن وقلب کے ساتھ چل رہے ہیں اگر کبھی محسوس ہوا کہ وہ غلط راہ پر چل نکلے ہیں تو ان شاءاللہ اُن سے اختلاف کرنے والا پہلا شخص میں ہوں گا!" اس کے بعد میں نے بارہا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا

ہے کہ اُس تعالیٰ نے میرے اس قول کی لاج رکھی اور مجھے کسی "ذہنی غلامی" میں مبتلا ہونے سے بچالیا ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ!

جماعت سے علیحدگی کے بعد ایک عرصہ تک جماعت کے سابقین ہی کے "صحرائے تیہہ" میں بھٹکتے رہنے اور بالآخر اُن سے مایوس ہونے کے بعد راقم نے جیسے ہی اپنی ذاتی سوچ اور خود اپنی افتادِ طبع کے مطابق آزادانہ کام کی داغ بیل ڈالی تو اُس کے مزاج کے اُس جزو لازم کا ظہور شروع ہو گیا۔ اور اگرچہ راقم کے اُس وقت کے "سرپرست" مولانا امین احسن اصلاحی کو یہ چیز شدید ناگوار تھی تاہم راقم نے علمائے کرام سے ربط و ضبط بڑھانا شروع کردیا ــــ چنانچہ اُس کی قائم کردہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام جو پہلی سالانہ قرآن کانفرنس دسمبر ۷۳ء میں منعقد ہوئی اُس کی شان، کا کچھ اندازہ اُس اشتہار سے ہو سکتا ہے جو اس کے لئے اخبارات میں شائع کرایا گیا تھا۔ جس کا عکس ص ۱۲ میں شائع کیا جارہا ہے!۔ راقم ان دنوں اپنے بعض پُرانے کاغذات کو دیکھ رہا تھا کہ اچانک ایک لفافے سے اُس اشتہار کا پوزیٹو برآمد ہو گیا۔ اصل میں ہم اخبار کے لئے اشتہار کی کتابت خود اپنے اہتمام میں کراتے ہیں۔ اور پھر اُس کے پوزیٹو بنوا کر اخبارات کو دیتے ہیں۔ غالباً اُس وقت کچھ زائد کاپیاں بن گئی ہوں گی جن میں سے دو میرے کاغذات میں محفوظ رہ گئیں۔) اس کانفرنس کے پانچ اجلاس ہوئے تھے جن کے جملہ مقررین اور مقالہ نگار حضرات کے نام تو اشتہار میں نہیں آسکتے تھے۔ صدر حضرات کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

۱۔ مولانا عبید اللہ انورؒ ۲۔ مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ
۳۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم ۴۔ علامہ علاؤ الدین صدیقی مرحوم
۵۔ مولانا امین احسن اصلاحی

إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ (حدیث نبوی)

خوار از مہجوری قرآں شدی ۔ شکوہ سنج گردش دوراں شدی ✱ اے چوں شبنم بر زمیں افتندہ ۔ در بغل داری کتاب زندہ (اقبال)

تفصیلی پروگرام

پہلی سالانہ سہ روزہ

قرآن کانفرنس

بمقام ٹاؤن ہال، لوئر مال لاہور

۱۴، ۱۵، ۱۶ دسمبر ۷۳ء

● **جمعہ ۱۴ر دسمبر**

اجلاس اوّل: ۹ بجے صبح تا ۱۲ بجے دوپہر، عنوان "عظمتِ قرآن" زیر صدارت حضرت مولانا عبید اللہ انور

اجلاس دوم: ۵½ بجے شام تا ۹ بجے رات " "قرآن اور سنتِ رسولؐ" " حضرت مولانا محمد یوسف بنوری

● **ہفتہ ۱۵ر دسمبر**

اجلاس اوّل: ۹ بجے صبح تا ایک بجے بعد دوپہر " "قرآن حکیم اور علامہ اقبالؒ" " پروفیسر یوسف سلیم چشتی

اجلاس دوم: ۵½ بجے شام تا ۹ بجے رات " "قرآن اور علم جدید" " علامہ علاؤ الدین صدیقی

● **اتوار ۱۶ر دسمبر**

آخری اجلاس: ۹ بجے صبح تا ایک بجے بعد دوپہر "تدبر قرآن اور مولانا فراہیؒ" اور "اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور قرآن حکیم" " مولانا امین احسن اصلاحی

زیر اہتمام

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶-۲ افغانی روڈ سمن آباد لاہور

فون: ۶۸۲۴۵

اِن میں سے چار اس دُنیا سے رخصت ہو چکے ہیں، اللہ اُن کو جنّت الفردوس میں جگہ دے اور مراتبِ عالیہ سے نوازے ـــ اور خصوصاً جو تعاون اُن حضرات نے مجھ ایسے بے بضاعت اور حقیر انسان سے کیا تھا اُس کا اجرِ عظیم عطا فرمائے! پانچویں بزرگ بحمداللہ بقیدِ حیات ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں صحت و عافیت سے رکھے اور اپنی علمی غلطیوں خصوصاً حدِ رجم سے متعلق اپنی انتہائی گمراہ کن رائے سے رجوع کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین -!! ان کے ساتھ اپنے وصل و

فصل" کی طویل داستان راقم نے دسمبر ۱۹۷۶ء کے 'میثاق' میں شائع کردی تھی جو بعد ازاں میری بعض دوسری تحریروں کے ساتھ یکجا صورت میں 'حکمتِ قرآن' کی خصوصی اشاعت بابت جولائی اگست ۱۹۸۲ء میں دوبارہ شائع ہوئی۔ اس میں میں نے صراحت کردی تھی کہ اُن کے ساتھ تعلق کی گرم جوشی میں ابتدائی کمی میرے اسی رجحانِ طبع کی بنا پر ہوئی تھی کہ میں صرف اُن ہی کا ہو کر کیوں نہیں رہتا اور دوسرے علماء خصوصاً قائلین تصوف سے کیوں ربط وضبط بڑھا رہا ہوں چنانچہ ایک موقع پر تو انہوں نے حسبِ عادت طیش میں آکر یہاں تک فرما دیا تھا کہ "ان علماء کو سر پر بٹھا کر کیا لینا ہے؟ ان ہی کی تو ہمیں تردید کرنی ہے!" جس پر میں بھونچکا سا ہو کر رہ گیا تھا۔

بہرحال اس وقت یہ ساری تفصیل اس لئے نوکِ قلم پر آگئی کہ ہو سکتا ہے کہ بعض حضرات خود اپنی ذہنیت پر قیاس کرتے ہوئے یہ خیال فرمائیں کہ علماءِ کرام سے رابطے کی یہ پوری کوشش محض کسی "وقتی حکمتِ عملی" کا مظہر ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس معاملے میں میں پورے انشراحِ صدر کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ "وما انا من المتکلفین!" اور جس طرح کسی شاعر نے کہا تھا کہ ع "مرا مزاج لڑکپن سے عاشقانہ ہے!" اسی طرح میں بھی یہ بات پورے انشراحِ صدر کے ساتھ لیکن "وَلَا فَخْرَ!" کی قید کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میرا مزاج ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ ؎

"اُحِبُّ الصَّالِحِیْنَ وَلَسْتُ مِنْھُمْ
لَعَلَّ اللّٰہُ یَرْزُقُنِیْ صَلَاحًا!"

(۲)

میرے اس ذاتی رجحانِ طبع کو تقویت پہنچانے میں جماعت اسلامی ہی کے 'سابقین' کے حلقے کے ایک بزرگ کی مساعی کو جو دخل حاصل ہے میں محسوس کرتا ہوں کہ اُس کا تذکرہ اور اُن کا شکریہ مجھ پر واجب ہے! اور وہ ہیں "جماعتِ شیخ الہندؒ" کے حلقوں کی ایک جانی پہچانی شخصیت یعنی رحیم آباد (ضلع رحیم یار خاں) کے سردار محمد اجمل خاں لغاری — ان کا تذکرہ راقم کی

اوّلین تالیف "جماعتِ اسلامی : ایک تحقیقی مطالعہ" میں بھی ہے اور 'میثاق' کے آج سے چھ سات سال قبل کے بہت سے شماروں میں بھی ـــــ واقعہ یہ ہے کہ جماعتِ اسلامی سے علیحدگی کے بعد کسی 'تشکیلِ نو' کی سعی کے ضمن میں راقم کے سب سے زیادہ سفر اوّلاً لائلپور (حال فیصل آباد) کے ہوئے تھے اور بعد ازاں رحیم آباد ضلع رحیم یار خاں کے! 'تنظیم اسلامی' کے قیام کے ضمن میں اوّلین قرارداد بھی راقم نے رحیم آباد ہی میں سردار صاحب سے طویل بحث وتمحیص کے بعد مرتب کی تھی اور وہ 'میثاق' (بابت اگست ستمبر ۱۹۶۷ء) میں "قراردادِ رحیم آباد" ہی کے نام سے شائع ہوئی تھی - میرا اُن سے ۱۹۵۵ء سے نہایت گہرا نیازمندانہ تعلق قائم ہوا تھا جو آج سے چند سال قبل تک نہایت گرمجوشی کے ساتھ برقرار رہا، میں انہیں اپنا بزرگ سمجھتا ہوں، اس لئے بھی کہ وہ عمر میں مجھ سے لگ بھگ بیس سال بڑے ہیں اور اس لئے بھی کہ وہ میری طرح جماعتِ اسلامی کے 'سابقین' ہی میں سے نہیں ہیں بلکہ اُس کے "سابقون الاوّلون" میں سے بھی ہیں - اس لئے کہ سابق ریاست بہاولپور میں جماعت سے منسلک ہونے والے پہلے شخص تو تھے مولانا عبدالحق حامیؒ اور اُن کے پہلے "شکار" تھے سردار صاحب ـــــ اور اس کے بعد پوری ریاست میں جماعت کی دعوت کی توسیع میں سب سے بڑھ کر حصّہ ان ہی کا ہے! ـــــ تاہم وہ ازراہِ شفقت ومروّت مجھے خطاب میں برابر ہی کا درجہ دیتے ہیں - میرے علم کی حد تک غیر عالم لوگوں میں سے جو لوگ جماعت میں شامل ہوئے اُن میں یہ واحد شخص ہیں جن کو جماعت میں شمولیت سے قبل بھی علماء کرام سے حسنِ ظن اور تعلق خاطر تھا ـــ پھر جماعت کے ساتھ بھرپور اور فعال وابستگی کے دوران بھی علماء کے ساتھ رابطہ برقرار رہا ـــ اور جماعت سے مایوسی اور علیحدگی کے بعد سے تو اُن کا کُل ربط وضبط حلقہ دیوبند کے علماء کرام ہی سے ہے! اور انہیں جو حسنِ ظن اور مخلصانہ ومربیانہ تعلقِ خاطر مجھ سے ہے اُس کی بنا پر ان کی بھرپور کوشش رہی ہے کہ میرا رابطہ بھی علماء حقانی کے ساتھ پختہ اور گہری بنیادوں پر قائم ہو - میرے اور اُن کے مابین تعلق میں کچھ عرصہ سے کچھ جمود بھی طاری تھا اور

کسی قدر سرد مہری بھی در آئی تھی جس کا سبب سوائے میری حد سے بڑھی ہوئی مصروفیت کے اور کچھ نہ تھا۔ یہ سراسر ان کا بزرگانہ کرم ہے کہ خود انہوں نے پہل کر کے اس جمود کو توڑا اور حسب ذیل گرامی نامہ ارسال فرمایا جو چونکہ از اوّل تا آخر اس وقت کے زیر بحث موضوع ہی سے متعلق ہے لہٰذا ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رحیم آباد، ۲۱ اگست ۸۵ء

بخدمت مکرم و محترم برادرم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب! زاد لطفہٗ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

آپ صادق آباد تشریف لاتے ہیں۔ ملاقات کا موقعہ دیتے ہیں۔ ہم دعا کرتے ہیں۔ عرصہ ہوا۔ نہ آپ آئے، نہ ہم نکل سکے۔ نہ ہی آپ نے نامہ و پیام سے یاد کیا۔ تاہم دعا کرتے ہیں۔ میثاق، بینات، الخیر، الحق، تدبر، البلاغ وغیرہ بالاستیعاب پڑھتا ہوں! ملاقات کے وقت آپ کو عزیز جان کر آپ سے باتیں کر لیتا ہوں۔ پڑھ کر تبصرہ کرنے کا حق محفوظ رکھتا ہوں۔ اور حق یہ ہے کہ تبصرہ کے لائق نہیں ہوں۔

میری عین تمنا رہی ہے کہ آپ کے برخوردارانہ تعلقات راسخ العلم علماء اور برحق مشائخ عظام سے ایسے وابستہ ہوں کہ اُن کی رہنمائی اور اشیر باد سے "اسلامی انقلاب" کی پُرپیچ اور کٹھن راہیں، آپ پر کشادہ ہوتی چلی جائیں۔ آپ اپنی سمجھ کے مطابق اس کا اہتمام کرتے ہیں۔ لیکن، دعوت و عزیمت کے داعی کے لئے یہ اہتمام ناکافی ہے۔ آپ محض صحافی، ایڈیٹر، مضمون نگار یا کسی عام ادارہ کے سربراہ نہیں ہیں۔ آپ کے دعوے بلند ہیں۔ ایسے بلند دعویٰ کا اوّلین تقاضا تھا جو آپ کی خدمت میں شروع سے پیش کرتا چلا آیا تھا، اور اُسی تقاضے کی طرف آپ کی توجہ اس عریضہ میں مبذول کرا رہا ہوں۔

میں فقط خوش اعتقادی کی وجہ سے یہ مشورہ نہیں دیتا رہا۔ اور نہ دے رہا ہوں، اور نہ میں ایسے ویسے ہر عالم یا ہر شیخ سے متاثر ہوتا ہوں میں ایمانداری سے اور خلوص سے سمجھتا ہوں کہ اس گئے گزرے وقت

میں بھی کچھ لوگ بیٹھے ہیں جن کی راہ نمائی کی آپ کو ایسی ہی حاجت ہے جیسی ایک پیاسے کو پانی کی ضرورت ہوتی ہے - آپ میں جس "اسلامی انقلاب" کی تڑپ ہے اُس کا قبلہ تبھی دُرست ہو سکتا ہے جب آپ کے سوز و ساز اور پیچ و تاب کی باگیں ان لوگوں سے مطلق آزاد نہ ہوں -

والسلام عبدہٗ محمد اجمل لغاری"

اس کا راقم نے جو جواب ارسال کیا وہ درج ذیل ہے -

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لاہور - ۴ / اگست ۸۵ء

برادرم مکرّم و معظم دامت فیوضکم !

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ !

ایک طویل عرصے بعد آپ کا 'بدستِ خویش' اور 'بقلم خود' گرامی نامہ پاکر بہت خوشی ہوئی — اِدھر میرا یہ حال تو آپ کے علم میں ہے ہی کہ میں خط لکھنے کا بہت چور ہوں - یہاں تک کہ طویل سفر کرکے حاضرِ خدمت ہو جانا - میرے نزدیک خط لکھنے کے مقابلے میں آسان ہے ، اور جیسا کہ آپ نے خود تحریر فرمایا ہے - میرا جب بھی اُدھر گذر ہوتا ہے - آپ کی خدمت میں حاضری پروگرام میں لازماً شامل ہوتی ہے - البتہ اِدھر خاصے عرصے سے اُدھر کا چکر ہی نہیں لگا -

علماءِ حق کی خدمت میں حاضری کو میں اپنی ایک ضرورت اور اپنے لئے یقیناً موجبِ سعادت سمجھتا ہوں ، اور اس ضمن میں یقین کیجئے کہ جان بوجھ کر کوتاہی نہیں کرتا - ضرورت سے زیادہ مشغولیت اور مصروفیت آڑے آجائے تو دوسری بات ہے - مجھے اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے اس امر کا حق الیقین حاصل ہے کہ میں اور میری بساط تو ہے ہی کیا ، کوئی بڑی سے بڑی اسلامی تحریک بھی علماءِ حق کی سرپرستی اور تعاون کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتی - بلکہ زیادہ سے زیادہ ایک نیا فرقہ جنم دے سکتی ہے - اس لئے میں اپنے امکانی حد تک اس کے لئے کوشاں ہوں - کہ علماءِ ربانیین میں سے بزرگوں کی اشیرواد اور دعائیں

حاصل کروں اور نوجوانوں کا عملی تعاون! اور اگرچہ مجھے اس میں تا حال کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو سکی تاہم میں مایوس نہیں ہوں۔ اور مجھے یقین ہے۔ کہ میں جلد اُن کا اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤنگا۔ انشاء اللہ العزیز، اس ضمن میں میں نے آپ کی رائے اور مشورے کو پہلے بھی کبھی نظر انداز نہیں کیا اور اب بھی بسر و چشم حاضر ہوں۔ آپ جب حکم فرمائیں سر کے بل حاضری دونگا۔ اور اس سلسلے میں اگر آپ کی معیت بھی حاصل ہو۔ تو کیا ہی کہنے۔۔۔ فقط والسلام مع الاکرام خاکسار اسرار احمد"

اس پر سردار صاحب کی جانب سے نہایت فوری طور پر جو گرامی نامہ موصول ہوا وہ بھی ہدیۂ قارئین ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدمت مکرم و محترم مجمع حسنات برادرم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب زاد لطفہٗ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ مزاج آں برادر!

مودّت نامہ ملا۔۔۔۔۔ اس اختلاف کو رہنے دیا جائے کہ "اسلامی انقلاب" لانے کی جدوجہد کے آغاز میں مذہبی قوتوں کی تائید حاصل کرنا چاہیئے یا آگے چل کر تمام مذہبی قوتوں کی تائید حاصل کی جائے۔ بہرحال کسی مرحلہ میں ہی سہی۔ لیکن اس تائید کی ضرورت و تحصیل میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ لہٰذا میں نے آپ کی توجہ شروع ہی سے اس طرف مبذول کرائی تھی۔ لیکن گذشتہ میثاق کے متعدد شماروں میں حصولِ تائید کو نقصان زیادہ پہنچا ہے۔ اور فائدہ کم۔

اب اگست کا شمارہ میرے سامنے ہے۔ الحمد للہ جس سے حوصلہ پا کر عرض پرداز ہوں کہ مذہبی قوتوں کی سنہری تائید حاصل کرنے کے لئے برائے نام کام نہ کریں۔ بلکہ اپنے کام کا اسے ضروری حصہ بنائیں۔ آخری مرحلۂ انقلاب کے دوران حکومتِ وقت سے لاٹھیاں کھا کر صبر کرنے کا عزم ہے۔ تو بزرگان کی ناراضی، تیز و تند انتباہ، سخت تنقید اور بعض اوقات انکی تنقیص کو برداشت کرنے کی پہلے سے مشق فراہم کریں۔ گذشتہ شماروں میں آپ نے بہت سی باتیں ایسی شائع کی ہیں،

بہت سے مسائل ایسے چھیڑے ہیں جن کی قطعاً کوئی حاجت نہ تھی۔
جیسے سنجیدہ سے سنجیدہ بزرگان نے بھی محسوس کیا ہے۔

میرا تعلق جو آپ سے ہے۔ وہ چند مسائل میں اختلاف کے باوجود
ہنوز مودت کی راہ میں کسی چیز کو حائل نہیں ہونے دے رہا۔ اس محبت
کی بنا پر ایسے عریضے لکھ کر بارِ خاطر بنتا ہوں۔!

اور سے گر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف!

--------- والسلام عبدہٗ محمد اجمل لغاری"

بہرحال اس خالص نصح و اخلاص پر مبنی مشورے پر راقم بموجب فرمانِ نبویؐ:
"مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَا یَشْکُرُ اللّٰہَ" سردار صاحب کا علیٰ رؤس
الاشہاد شکریہ ادا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ وہ راقم کو سردار
صاحب کے مشورہ پر عمل کی وافر توفیق عطا فرمائے!

(۳)

ویسے پیشِ نظر تحریر کے آغاز میں غالبؔ کے ایک شعر کے حوالے سے جو
مایوس کن صورت بیان ہوئی ہے وہ صرف وقتی اور عارضی سی کیفیت ہے جو صرف
اس لیے پیدا ہو گئی کہ اتفاقاً جولائی و اگست ۸۵ء کے دوران متعدد دینی جرائد
میں راقم پر تنقیدی مضامین شائع ہو گئے —— ورنہ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ
نے راقم الحروف کو اس معاملے میں سورۂ مریم میں وارد شدہ حضرت زکریا علیہ
السلام کے اس قول کے مصداق کہ "وَلَمْ اَکُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِیًّا"
بالکل محروم نہیں رکھا ہے اور اُس کی حالیہ مساعی کے بھی نہایت مثبت نتائج
ظاہر ہوئے ہیں۔ چنانچہ بہت سے بزرگ اور مسلّمہ دینی و علمی مرتبہ کے حامل علمائے
کرام کی سرپرستی راقم کو حاصل ہے۔ جن میں ایسے بزرگوں کی تعداد تو اگرچہ بہت
محدود ہے جنہوں نے تنظیمِ اسلامی کے حلقۂ مستشارین میں باضابطہ شمولیت
بھی اختیار فرمائی ہے تاہم ایک معتدبہ تعداد ایسے حضرات کی ہے جو بوجوہ
"بے ہمہ اور باہمہ" رہنے کو ترجیح دیتے ہیں، بایں ہمہ کسی ضابطے کے تعلق کے
بغیر راقم اور اس کی تنظیم و تحریک کی "مربیانہ نگرانی" کا فرض سرانجام دے

رہے ہیں ـــــ دوسری طرف حال ہی میں ایسے متعدد نوجوان علماء نے تنظیم اسلامی میں باقاعدہ شمولیت اختیار کی ہے جو ملک کی مؤقر جامعات سے فارغ التحصیل ہیں اور مختلف مقامات پر مساجد جامع میں خطابت و امامت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ ان میں نمایاں ترین مثال مولانا سعید الرحمٰن علوی کی ہے جن کے خاندانی اور دینی و تعلیمی پس منظر، فراغت کے بعد سے اب تک کی دینی خدمات اور دینی جماعتوں اور تحریکوں سے عملی تعلق کی تفصیل اور راقم الحروف کے ساتھ ابتدائی تعارف سے لے کر تنظیم میں باضابطہ شمولیت تک کی مفصل روداد پر مشتمل ایک طویل تحریر اسی شمارے میں شائع ہو رہی ہے جو انہوں نے راقم کی فرمائش پر سپردِ قلم کی ہے! ـــــ یہ تحریر اگرچہ قدرے زیادہ طویل ہو گئی ہے تاہم اس کے ابتدائی اور طویل ترین حصے میں ایک خاص مکتب فکر کے اعاظم رجال کا تذکرہ اور ایک خاص خطے کے دینی اور روحانی سلسلوں کا جو تعارف آ گیا ہے وہ بہت مفید ہے اور اس سے خود راقم کی معلومات میں بہت اضافہ ہوا ہے، بنابریں اسے من و عن شائع کیا جا رہا ہے!

سعید الرحمٰن علوی صاحب کے معاملے کو راقم نے خصوصی اہمیت اس لئے دی ہے کہ تعلیمی، دینی اور سیاسی پس منظر کے اعتبار سے میرے اور اُن کے مابین بعد المشرقین پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ایک جانب اسکول و کالج کی تعلیم اور دوسری جانب حفظ قرآن اور درس نظامی کے فرق کو نظر انداز کر دیا جائے تب بھی کہاں اوّلاً تحریک پاکستان اور ثانیاً جماعتِ اسلامی سے ذہنی اور قلبی بلکہ فعّال عملی تعلق اور کہاں ابتداءً مجلسِ احرارِ اسلام اور بعد ازاں جمعیت علماء اسلام سے والہانہ وابستگی ـــــ اسی طرح کہاں اُن کا بقول خود "متعصّب حنفی" ہونے کا معاملہ اور کہاں راقم کا یہ موقف کہ نہ وہ سکہ بند حنفی ہے نہ عرفِ عام کے مطابق اہلحدیث بلکہ بقول مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ مسلک ولی اللّٰہی سے منسلک ہے! گویا اسے ہر اعتبار سے اجتماعِ ضدّین سے تعبیر کیا جا سکتا ہے لیکن راقم کے نزدیک یہ ایک نہایت نیک فال اور اعلیٰ مثال ہے جو ان شاء اللہ العزیز "قرآن السعدین" کی تمہید بنے گی۔ اس لئے کہ اگر احیاء و اقامت

دین کے بلند و بالا اور اعلیٰ و ارفع نصب العین کے لئے مختلف فقہی مسالک اور رُوحانی سلاسل سے منسلک اور ماضی کی شخصیات اور تحریکات کے ضمن میں کسی قدر مختلف نقطۂ نظر رکھنے والے لوگ اُس شان کے ساتھ جمع ہوں جس کا نقشہ قرآن حکیم کے حسب ذیل الفاظ میں سامنے آتا ہے:-

”تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ“

تو امید کی جاسکتی ہے کہ مختلف مسالک اور مکتبہ ہائے فکر و نظر سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے مابین فاصلوں میں کمی آئے گی اور ذہنی و قلبی قرب پیدا ہوگا۔ اس لئے کہ ہمارے یہاں اجنبیت کے حجابات اور فکری و جذباتی بُعد اور ”من دیگرم تو دیگری“ کی کیفیت کے تشویشناک اور مایوس کن حد تک بڑھ جانے کا اصل سبب یہ ہے کہ ہر گروہ اور ہر طبقہ ع ”اپنے ہی حُسن کا دیوانہ بنا پھرتا ہوں“ کے مصداق اپنے ہی حلقے کے بزرگوں کی محبت و عقیدت سے سرشار، اپنے ہی مسلک کی مطبوعات و جرائد کے پڑھنے پڑھانے اور اپنے ہی مخصوص فکر کے تانے بانے میں ایسا گم رہتا ہے کہ دوسروں سے تعارف اور واقفیت کی نوبت ہی کبھی نہیں آتی۔ نتیجۃً ”کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ“ کی کیفیت کی شدت اور اس کی گہرائی و گیرائی ہی میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے! اسی صورتِ حال میں تبدیلی کی ایک کوشش تھی جو راقم الحروف گذشتہ تیرہ سالوں سے کرتا چلا آرہا ہے یعنی قرآن کانفرنسوں اور قرآنی محاضرات کے پلیٹ فارم پر مختلف مسالک اور مکاتبِ فکر کے اصحابِ علم و فضل کو جمع کیا جائے تاکہ ذہنی اور قلبی فاصلے کم ہوں اور ایک دوسرے کو قریب سے دیکھنے اور سننے کے مواقع میسّر ہوں —— اور راقم کو اللہ تعالیٰ کے اُس خصوصی فضل و کرم سے امید واثق ہے جو اُس کے اس حقیر اور عاجز و ناتواں بندے کے شاملِ حال ہے کہ ان شاء اللہ العزیز اس کی قائم کردہ تنظیم کے ذریعے مختلف ذہنی و فکری پس منظر کے حامل، مختلف مسالک فقہیہ سے وابستہ اور ماضی کی مختلف سیاسی تنظیموں اور تحریکوں سے تعلق رکھنے والے لیکن دین کا درد رکھنے اور اُس کی غربت پر کڑھنے والے اور اُس کی نصرت و

اقامت کے لئے تن من دھن لگا دینے کا عزم رکھنے والے لوگ ایک مضبوط تنظیمی سلسلے اور محکم جماعتی رشتے کے "بنیانِ مرصوص" میں منسلک ہو کر "حزبُ اللّٰہ" کی صورت اختیار کرلیں گے! وماذالك على الله بعزيز!!

یہاں ضمنی طور پر یہ بھی وضاحت ہو جائے تو مناسب ہے کہ اس کا امکان اگر کوئی ہے تو صرف اس صورت میں کہ تنظیم کی اساس شخصی بیعت پر ہو نہ کہ کسی دستوری یا جمہوری ڈھانچے پر ـــــ اس لئے کہ مؤخر الذکر صورت میں تنظیمی فیصلوں اور مناصب کی تفویض کے جملہ معاملات 'ووٹوں کی گنتی' کی بنیاد پر طے ہوتے ہیں لہٰذا منطقی طور پر لازمی ہے کہ 'ووٹ' کا حق صرف اُن لوگوں کے پاس ہو جن کے کسی خاص مکتبۂ فکر اور نقطۂ نظر سے کامل آہنگی اور اصول اور کلیات ہی نہیں فروعات اور جزئیات تک کے بارے میں ذہن و مزاج کے ایک مخصوص رُخ پر ڈھل چکنے اور ایک خاص رنگ میں رنگے جانے کے بارے میں پورا اطمینان حاصل کر لیا گیا ہو۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ فکر و نظر میں کسی وسعت کے پیدا ہونے کا امکان ہی باقی نہیں رہتا بلکہ اُس خاص ذہن و مزاج ہی کے پختہ سے پختہ تر اور شدید سے شدید تر ہونے کا عمل جاری رہتا ہے جس سے لامحالہ تنگ نظری، گروہ پرستی اور تحزب و تعصب میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے ـــــ جبکہ شخصی بیعت کی بنیاد پر قائم ہونے والی تنظیم میں باہمی مشاورت کی فضا تو بتمام و کمال برقرار رہتی ہے یا رہ سکتی ہے لیکن فیصلوں کا دار و مدار ع "بندوں کو گِنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے!" اور ع "کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانے نمی آید!" کے مصداق ووٹوں کی گنتی پر نہیں بلکہ 'صاحبِ امر' کی صوابدید پر ہوتا ہے! بنابریں مختلفُ المزاج، مختلفُ المسلک، مختلفُ المشرب اور مختلفُ الرائے لوگوں کے جمع ہونے میں قطعاً کوئی قباحت نہیں ہے! ـــــ اس لئے کہ یہاں تنظیم میں شمولیت کا فیصلہ صرف اس ایک امر پر مبنی ہوتا ہے کہ آیا کسی کو ایک شخص معیّن کے افکار و نظریات سے بحیثیت مجموعی اتفاق اور اُس کے خلوص و اخلاص پر فی الجملہ اعتماد ہے یا نہیں! اگر ہے تو اس سے بیعتِ جہاد و سمع و طاعت فی المعروف کے رشتے میں منسلک ہو جائے۔ پھر "اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَ

وَ انفُوُا دَکُلہٗ اُولٰئِکَ کَانَ عَنۂ مَسۡئُولاً " کے مطابق کھلے کانوں اور کھلی آنکھوں کے ساتھ اور عقل و فہم کی جملہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اُس کا ساتھ دے ۔ کوئی غلطی نظر آئے تو تنقید کرے، غلط رجحانات نظر آئیں تو پیشگی متنبہ کرے، کسی معاملے میں رائے کا اختلاف ہو تو برملا اظہار کرے اور اس میں کسی کی شخصی عقیدت، یا اُس کے ذاتی رُعب یا ملامت کے خوف کو آڑے نہ آنے دے لیکن جب تک وہ "بحیثیت مجموعی اتفاق" اور "فی الجملہ اعتماد" کی کیفیت برقرار رہے 'اطاعت فی المعروف' کے دائرے سے باہر نہ نکلے ـــــــ البتہ جب اُن دونوں میں سے کوئی ایک بات بھی برقرار نہ رہے تو بیعت فسخ کرنے کا اعلان کرے اور علیحدگی اختیار کر لے ــ!! اور "هَلْ لَّنَا مِنَ الامرِ مِن شَیۡءٍ" کی قسم کے قضیئے کھڑے کر کے نہ اپنا وقت ضائع کرے نہ دوسروں کا!

اس ضمن میں واقعہ یہ ہے کہ اُس حدیث نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ و السلام کے الفاظ مبارکہ کی عظمت و جامعیت، ہیبت و جلالت اور محکمیت و مشیدیت کا جو انکشاف راقم الحروف کے شعور و ادراک پر ہوا ہے اور جو نقش اُس کے قلب پر قائم ہوا ہے اسکے بیان سے وہ از بس قاصر ہے اس لئے کہ اس ایک مختصر حدیث میں "اسلامی انقلابی پارٹی" یا "حزب اللہ" کا پورا دستور موجود ہے یہ حدیث بخاریؒ اور مسلمؒ دونوں نے حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے جس میں انہوں نے بیعت عقبہ ثانیہ کے الفاظ نقل فرمائے ہیں (حدیث میں الفاظ کی نسبت حضرت عبادہ ابن صامتؓ کی جانب ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ تلقین خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے فرمائے ہونگے!)

"بَایَعنَا رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی السمع والطاعۃ فی العسرِ والیسرِ وَ المنشطِ والمکرہ وعلیٰ اثرۃٍ علینا وَعلیٰ ان لا ننازع الامرَ اھلہٗ وعلیٰ ان نقول بالحق اینما کُنّا لا نخاف فی اللّٰہ لومۃ لائمٍ"

(ترجمہ) "ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی کہ آپؐ کا ہر حکم سُنیں گے اور اسکی اطاعت کریں گے خواہ ہم پر تنگی ہو خواہ آسانی - اور خواہ ہمارے دل آمادہ ہوں خواہ اپنی طبیعتوں پر جبر کرنا پڑے اور خواہ دوسروں کو (مناصب اور ذمہ داریوں وغیرہ کی تفویض میں، ہم پر ترجیح دی جائے اور یہ کہ ہم امراء سے نظم کے معاملے میں رسہ کشی نہیں کریں گے — البتہ ہم حق بات ضرور کہیں گے خواہ کہیں بھی موقع پیش آئے اور اللہ (اور اس کے دین) کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے :

اس وقت ظاہر ہے کہ راقم کو نہ 'بیعت' کے مسئلے پر مفصل گفتگو کرنی ہے نہ خود اس حدیث کی تفصیلی تشریح بلکہ یہ بات صرف بر سبیل تذکرہ قلم پر آ گئی کہ یہی وہ واحد نظام ہے جس میں عرب و عجم ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است!" کے کیفیت کے حامل لوگ جمع ہو سکتے ہیں اور راقم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے کہ اُس نے اس کی اس جانب رہنمائی فرمائی اور ایک سُنّت کو زندہ کرنے کی سعادت بخشی — اور وہ اپنے اس صدمہ اور رنج و غم کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جہاں ہماری نئی تعلیم یافتہ نسل کا حال یہ ہے کہ ؎

میں نے دیکھا ہے کہ فیشن میں الجھ کر اکثر — تم نے اسلاف کی عزت کے کفن بیچ دیئے
نئی تہذیب کی بے روح بہاروں کے عوض — اپنی تہذیب کے شاداب چمن بیچ دیئے

— وہاں 'حامیان دین' اور 'خادمان شرع متین' کی بھی اکثریت کا یہ حال ہے کہ اپنی اپنی تنظیموں اور جماعتوں کو اس 'بیعت سمع و طاعت فی المعروف' کی اساس پر استوار کرنے کی بجائے مغرب سے درآمد شدہ طریقوں کو اختیار کئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ تشتت و انتشار اور تقسیم در تقسیم کا جو عمل عام غیر مذہبی سیاسی جماعتوں میں نظر آتا ہے بعینہٖ وہی ان کے یہاں بھی موجود ہے - فاعتبروا یا اولی الابصار!! -

(۴)

راقم یہ عرض کر چکا ہے کہ غلبہ و اقامتِ دین کی جد وجہد میں تعاون اور سرپرستی کی درخواست کے ضمن میں اس کے ذہن میں اوّلیت ان حلقوں کو حاصل ہے جن کا (راقم کے فہم کے مطابق) براہِ راست یا بالواسطہ تعلق حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی جماعت سے ہے' البتہ اس سلسلے میں وہ انشاء اللہ العزیز برصغیر پاک و ہند کے علم و فضل کے جملہ سلسلوں اور خانوادوں کے دروازوں پر دستک دے گا۔ اس سلسلے میں اس کے نزدیک دوسرے نمبر پر وہ سلسلے اور خانوادے ہیں جو ۱۹۲۰ء میں جمعیت علماءِ ہند کے اجلاس دہلی کے پلیٹ فارم پر حضرت شیخ الہندؒ کی زیرِ صدارت جمع تھے یا بعد میں کم از کم تحریکِ خلافت میں شریک تھے ـــــ ان میں سے تین سلسلوں کے ساتھ راقم کے ربط و تعلق کا تذکرہ اس مقام پر بے محل نہ ہوگا۔

اہلِ حدیث حضرات میں سے اس اجلاس میں مولانا سیّد محمد داؤد غزنویؒ بنفسِ نفیس شریک تھے۔ ان سے راقم کا تعلق ۵۶-۱۹۵۵ء میں بالکل اتفاقاً قائم ہوا اور پھر ان کے انتقال تک قائم رہا۔ اس سلسلے کا ایک دلچسپ واقعہ یہ ہے کہ ۱۹۶۲ء میں جب راقم کو پہلی بار والدین کی معیت میں حج بیت اللہ کی سعادت حاصل ہوئی تو اسی سال رابطہ عالم اسلامی کا تاسیسی اجلاس ہوا جس کے لئے پاکستان سے دو علماء مدعو کئے گئے تھے۔ ایک مولانا مودودی مرحوم و مغفور اور دوسرے مولانا داؤد غزنویؒ۔ میری ملاقات حرم شریف میں اتفاقاً مولانا غزنویؒ سے ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ تم رابطے کے تاسیسی اجلاس میں میرے سیکرٹری کی حیثیت سے شرکت کرو۔ میرے لئے تو یہ ایک نعمتِ غیر مترقبہ تھی۔ اس طرح میں اس اجلاس کا مستقل شریک اور نتیجۃً بہت سے رازہائے درونِ پردہ کا عینی شاہد ہوں۔ تاہم یہ موقع "مصلحت نیست کہ از پردہ بروں آید راز" کے مصداق ان امور پر بحث کا نہیں ہے (مولانا داؤد غزنویؒ سے اپنے تعلق کی تفصیلی داستان میں نے مولانا محی الدین سلفی مرحوم کے اصرار پر 'الاعتصام' کے لئے سپردِ قلم کی تھی جو بعد میں مولانا سیّد ابوبکر غزنوی مرحوم نے اپنی تالیف "سیّدی وابی" میں بھی شامل کی تھی ـــــ ان شاء اللہ 'میثاق' کی کسی قریبی اشاعت میں اسے ہدیۂ قارئین کروں گا۔ (اس لئے کہ اس میں بعض سبق آموز باتیں شامل ہیں!)

برصغیر پاک و ہند کے مشہور و معروف خیرآبادی مکتبِ فکر کے گل سرسبد مولانا معین الدین اجمیریؒ بھی اس اجلاس میں شریک تھے ـــــ اور ان ہی کے ایک نہایت محکم لیکن خالص فنّی اعتراض کی بنا پر اس اجلاسِ عام میں مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی امامتِ ہند کا مسئلہ کھٹائی میں پڑا تھا۔ ان کے شاگردِ رشید اور اس سلسلہ علمیہ کے 'خاتم' مولانا منتخب الحق قادری ہیں جن سے میرا رشتہ تلمذ ۶۵-۱۹۶۴ء میں قائم ہوا تھا جبکہ میں کراچی یونیورسٹی سے ایم اے (اسلامیات) کر رہا تھا۔ ان کے برادرِ نسبتی تھے مولانا افتخار احمد بلخی مرحوم جو ہماری ہی طرح جماعتِ اسلامی کے "سابقین" میں سے تھے اور ان کا رشتہ تلمذ بھی مولانا معین الدینؒ سے تو تھا ہی غالباً مولانا منتخب الحق

سے بھی تھا۔ مجھ پر وہ حد درجہ شفیق تھے اور انہوں نے ہی زبردستی مجھے ایم اے میں داخلہ لے کر دیا تھا (وہ خود بھی شعبۂ اسلامیات میں لیکچرار تھے) ــــــــ ادھر مولانا معین الدینؒ کے بھتیجے ہیں مولانا حکیم محمد نصیر الدین ندوی مدظلہٗ، مالک نظامی دواخانہ، شاہراہ لیاقت، کراچی ــــــــ قارئین 'میثاق' میں سے بہت سے حضرات کے علم میں ہوگا کہ جب راقم مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم کی امامتِ ہند کے ضمن میں ایک قول جو اس نے پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم سے سنا تھا 'میثاق' میں نقل کر کے مخمصے میں پھنس گیا تھا تو اس سے نکلنے میں جہاں اولاً ملک نصر اللہ خاں عزیز مرحوم اور ثانیاً مولانا منتخب الحق قادری مدظلہٗ نے مدد فرمائی تھی وہاں اصل فیصلہ کن مواد حکیم صاحب موصوف ہی سے حاصل ہوا تھا۔ میرا ان سے نیازمندانہ تعلق تو اسی وقت سے ہے لیکن گذشتہ چار پانچ ماہ کے دوران اس نے بڑھ کر نہایت مضبوط قلبی رشتے کی صورت اختیار کر لی ہے۔ دو ماہ قبل انہوں نے بایں پیری و ضعیف العمری (ان کا سن غالباً ۷۵ سے بھی متجاوز ہے، اگرچہ دیکھنے میں اتنا محسوس نہیں ہوتا!) میری 'شامِ الھدیٰ کراچی' کی ڈھائی تین گھنٹے کی تقریر بھی رحم کر سنی ــــــ اور بعد ازاں اسے بہت سراہا۔ اور اب شاذ ہی ہوتا ہے کہ میرا کراچی جانا ہو اور ان کی معیت میں کم از کم ایک مرتبہ کسی نہ کسی مقام پر دعوتِ طعام میں شرکت نہ ہو۔ جس میں بعض اوقات استاذی المکرم مولانا منتخب الحق مدظلہٗ بھی موجود ہوتے ہیں ــــــــ اسی دوران میں اس سلسلے کی ایک اور اہم شخصیت سے بھی تعلق قائم ہوا ہے اور وہ ہیں مولانا معین الدین اجمیریؒ کے استاذ گرامی مولانا حکیم برکات احمد ٹونکیؒ کے پوتے مولانا حکیم محمود احمد صاحب برکاتی ــــــــ اور قارئین 'میثاق' کے لئے یہ اطلاع یقیناً موجب مسرت ہوگی کہ ان شاء اللہ العزیز اکتوبر ۸۵ء کے اواخر میں غالباً ۲۵ تا ۲۷، قرآن اکیڈمی، لاہور میں ایک خاص اجتماع خیر آبادی مکتبِ فکر ہی کے موضوع پر منعقد ہوگا جس میں شرکت کا حکیم محمد نصیر الدین صاحب ندوی اور حکیم محمود احمد صاحب برکاتی نے تو حتمی وعدہ کر لیا ہے، ــــــ مولانا منتخب الحق قادری مدظلہٗ نے بھی کوشش کا وعدہ کیا ہے! (یادش بخیر پروفیسر یوسف سلیم چشتیؒ نے اس مکتب فکر کی بعض امہاتِ کتب کا درس مولانا منتخب الحق صاحب سے لیا تھا اور وہ ان کے لئے نہایت شاندار الفاظ استعمال کرنے کے ساتھ ساتھ یہ فرمایا کرتے تھے کہ "میں نے یہ علم ان کی جوتیاں سیدھی کر کے حاصل کیا ہے")

ایک ضمنی سی بات یہ بھی بیان ہو جائے تو حرج نہیں ہوگا کہ کراچی میں صدر کے انتہائی اہم اور مرکزی علاقے میں حکیم محمد نصیر الدین صاحب ندوی (المعروف بہ نصیر میاں) کا مطب میرے مشاہدے کے مطابق 'دار العلاج' کم اور 'دار الحکمت' زیادہ ہے جہاں ہر وقت اصحابِ علم و فضل اور ارباب

ادب وسخن کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ چنانچہ وہیں جناب راغب مراد آبادی سے ملاقات ہوئی جن کے بارے میں مولانا منتخب الحق صاحب کا فرمانا ہے کہ "وہ از سرتا پا 'شعر' ہیں!" ارتجالاً شعر گوئی میں انہیں یدِطولیٰ حاصل ہے۔ چنانچہ پہلی ہی ملاقات کے بعد چند ہی ثانیوں میں انہوں نے راقم کی شرمندگی کا سامان اس رباعی کی صورت میں پیش کر دیا ؎

لاریب نکو نام ہیں اسرار احمد — ہاں، ناسخ اوہام ہیں اسرار احمد
قرآن کے کرتے ہیں حقائق کا بیاں، — شیدائی اسلام ہیں اسرار احمد

ابھی ۲۰ اگست ۸۵ء کو جب شیخ جمیل الرحمٰن صاحب کے مکان واقعہ جاپان مینشن، ریگل چوک کراچی میں خیرآبادی مکتبِ فکر کا اجتماعِ طعام ہوا تو وہاں پھر راغب صاحب نے ارتجالاً ایک قصیدہ سپردِ قلم کر دیا جو فی الحال بھائی جمیل صاحب کے پاس امانت ہے۔

برصغیر پاک و ہند کی بیسویں صدی عیسوی کی عظیم دینی شخصیات میں ایک مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھیؒ (والدِ ماجد مولانا شاہ احمد صاحب نورانی) بھی تھے جنہوں نے تبلیغ اسلام کے لئے متعدد بار پوری دنیا کا دورہ کیا اور جن کی تبلیغ سے بالخصوص جزائر مغرب الہند میں اسلام کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ راقم کو یہ تو معلوم نہیں ہے کہ وہ ۱۹۲۰ء کے جمعیت العلماء ہند کے اجلاس میں شریک تھے یا نہیں، اس لئے کہ اس اجلاس کا کھلم کھلا بائیکاٹ خانوادہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے کیا تھا اور مولانا میرٹھی کو خرقۂ خلافت وہیں سے عطا ہوا تھا۔ تاہم مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ کی تالیف (جس کا حوالہ 'میثاق' کی کسی گذشتہ اشاعت میں آچکا ہے) سے معلوم ہوا کہ تحریک خلافت میں انہوں نے بھرپور حصہ لیا تھا۔ حالانکہ خانوادۂ بریلی نے اس سے بھی لاتعلقی کا فتویٰ دیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روحانی تعلق کے باوصف مولانا میرٹھی آزاد ذہن و فکر کے انسان تھے۔ بہرحال ان کا تذکرہ اس وقت اس لئے ہوا کہ ان کے دامادِ کلاں ڈاکٹر فضل الرحمٰن انصاریؒ بھی میری طالب علمی کے زمانے میں کراچی یونیورسٹی کے شعبہ معارفِ اسلامیہ سے وابستہ تھے۔ اس طرح میرا تلمذ کا رشتہ ان سے بھی قائم ہوا ——— کراچی کے گذشتہ تین چار دوروں کے دوران ان کے داماد ڈاکٹر عمران حسین صاحب سے ملاقاتیں ہوئیں ———

یہ ویسٹ انڈیز ہی کے رہنے والے ہیں، اردو سمجھتے اچھی طرح ہیں لیکن بولتے دقت سے ہیں۔ نہایت سلیم الفطرت اور ذہین و فہیم نوجوان ہیں۔ چند ماہ سے وہ میرے دروس قرآن اور خطابات عام میں جس التزام اور پابندی سے شرکت کر رہے ہیں اس کا میرے دل پر بہت اثر ہے۔ اس بار بہت اصرار سے وہ مجھے اپنے مکان پر لے گئے۔ جہاں ان کی خوش دامن یعنی مولانا عبدالعلیم میرٹھیؒ کی سب سے

بڑی صاحبزادی صاحبہ کی خدمت میں بھی سلام نیاز پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی اور مولانا میر تھیؒ کی نواسی اور استاذی ڈاکٹر انصاریؒ کی صاحبزادی کی نہایت پرتکلف مہمان نوازی سے بھی (اپنے معالجین کی ہدایات کے بالکل برعکس) بھرپور طور پر لطف اندوز ہونے کا موقع ملا۔

الغرض ——— راقم کسی ایک کنوئیں کا مینڈک ہے نہ کسی ایک گھر کا ملازم بلکہ ——— ؎ "ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست!" کے انداز میں اور فرمانِ نبویؐ "الحکمة ضالة المؤمن هو احق بها حيث وجدها!" کے بموجب راقم حق و صداقت کا جویا اور علم و حکمت کا متلاشی ہے اور اسے معلوم ہے کہ یہ چیزیں ہمارے یہاں ؎

اڑائے کچھ ورق لالہ نے کچھ نرگس نے کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

اور ؎

اڑا لی طوطیوں نے قمریوں نے عندلیبوں نے
چمن والوں نے مل کر لوٹ لی طرزِ فغاں میری

کے مصداق مختلف حلقوں اور گروہوں میں منقسم و منتشر ہو گئی ہیں اور اب انہیں پھر ؎ "کرتا ہوں جمع پھر جگر لخت لخت کو!" کے انداز اور ؎ "ڈھونڈ اب ان کو چراغِ رُخِ زیبا لے کر!!" کی شان کے ساتھ جمع کرنا ہوگا ——— اسی طرح غلبہ و اقامتِ دین کی جدوجہد کسی ایک گروہ کے بس کا روگ نہیں ہے۔ اس کے لئے امت کے زیادہ سے زیادہ مکاتبِ فکر کو اسی طرح ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا ہوگا جس طرح وہ ۱۹۲۰ء میں دہلی میں جمع تھے ——— اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی ازمنہ قدیمہ کی بات نہیں ہے۔ کل پینسٹھ سال پہلے کا واقعہ ہے ——— تو پھر مایوسی کیوں! ——— اور بددلی کس بنا پر؟؟

(۵)

راقم کو اس دوران میں امید کی دو کرنیں اور بھی نظر آئی ہیں جن سے اس کا حوصلہ بڑھا ہے اور راقم اس کیفیت میں اپنے رفقاء و احباب اور جملہ قارئین 'میثاق' کو بھی شامل کرنا ضروری سمجھتا ہے۔

ایک ایبٹ آباد میں مولانا غلام النصیر چلاسی مدظلہ، سے ملاقات جس کے دوران ہم دونوں نے بالکل وہ کیفیت محسوس کی کہ ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا! میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

مولانا علاقہ کوہستان کے، جو پاکستان کے "شمالی علاقہ جات" میں محل وقوع سمیت ہر اعتبار سے نہایت

مرکزی اہمیت کا حامل ہے، ایک نہایت مقبول اور مقتدر دینی اور روحانی رہنما ہیں۔ نسلی اور لسانی اعتبار سے "پشین" ہیں، اردو لکھنا پڑھنا دقت کے ساتھ ہے۔ البتہ اپنی مادری زبان اور پشتو کے علاوہ عربی اور فارسی دونوں پر یکساں قدرت رکھتے ہیں۔ اور ان چاروں زبانوں میں ان کی ۲۵ ہزار اشعار سے زائد پر مشتمل کتابیں طبع ہو چکی ہیں، ـــــــ میں نے لاہور میں تنظیم کے رفقاء کے اجتماع میں اپنا جو تاثر بیان کیا تھا، سردست صرف اسی کے نقل پر اکتفا کرتا ہوں اور وہ یہ کہ "میں نے آج تک کسی دینی شخصیت کو اپنے مزاج اور خیالات و نظریات کے جملہ پہلوؤں سے اس درجہ ہم آہنگ نہیں پایا جتنا مولانا غلام النصیر چلاسی کو!"

ـــــــ (میرے اس تاثر کی بنا پر میرے چند قریبی رفقاء نے جاکر ان سے ملاقات کی اور میرے اس احساس کی حرف بحرف توثیق کی!) ـــــــ خود انہوں نے راقم کے بارے میں اپنا جو تاثر بیان فرمایا ہے وہ راقم کے لئے حد درجہ شرمندگی بلکہ شرمساری کا موجب ہے لیکن جبکہ راقم کو بہت سے دینی حلقوں کی جانب سے 'دھتکارا' جا رہا ہے جس سے اس کے رفقاء بددلی محسوس کر رہے ہیں میری رائے میں ایک ہمت افزا قول کا نقل کر دینا مفید ہوگا ـــــــ اور وہ یہ کہ: "آپ کو دیکھ کر میرا یقین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پر مزید گہرا ہو گیا ہے کہ میری امت میں ہمیشہ کم از کم ایک گروہ ضرور حق پر قائم رہے گا!" اللہ تعالیٰ انہیں اس حسن ظن اور ہمت افزائی پر اجر عظیم عطا فرمائے اور مجھے اور میرے ساتھیوں کو ان کی ان نیک توقعات پر کسی ادنیٰ سے ادنیٰ درجے ہی میں سہی پورا اترنے کی توفیق عطا فرمائے۔ وما ذٰلک علی اللہ بعزیز!!

میں نے ان کی خدمت میں اپنی جملہ مطبوعات کا جو سٹ ارسال کیا اس پر ان کا جو والا نامہ موصول ہوا وہ من وعن درج ذیل ہے۔

۱۰ اگست ۱۹۸۵ء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم و مکرم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے ارسال کردہ تمام کتب اور خط موصول ہوئے۔ فرصت کے اوقات میں آپ کے چند رسائل کا اجمالی جائزہ لیا جس سے آپ کی تنظیم کا عزم محکم کا بخوبی علم ہوا۔ آپ کے کتب و رسائل جو مجھے موصول ہو چکے ہیں لوگوں میں تقسیم کر دوں گا تاکہ عامۃ الناس استفادہ کر سکیں۔ میں چند اپنی کتب آپ کو مطالعہ کے لئے پیش کرنا چاہتا تھا جو کہ دستیاب نہ ہو سکیں۔ "تحائف قدسیہ" اور "ینابیع الحکمت" بڑی ضخیم کتب تھیں۔ ابتداءً مطالعہ کے لئے بہتر تھیں۔ فی الحال جو کتابیں دستیاب ہیں ارسال خدمت ہیں جنکے بالترتیب مطالعہ سے آپ ہمارے عزائم کی کیفیت سے آگاہ ہوں گے۔ سب سے پہلے "خیابانِ چلاسی" کا مکمل مطالعہ کریں پھر

"معدنِ توحید" "گنجینۂ معرفت" اور گلدستۂ عشاق "۔ دوسری کتب دستیاب ہونے پر یا دوسری ملاقات میں آپ کو دیں گے۔ چند حروف پریشاں بطور تحفہ درویشاں آپ کی خدمت میں بھیج رہے ہیں۔

بہ مطلب می رسی اسرارِ احمد
اگر محکم بگیری تارِ احمد

مرادِ احقر از محکم گرفتن
بود اخلاص در ہر کارِ احمد

صداقت حلِ ہر یک مشکلے ہست
ہمی دانست یارِ غارِ احمد

دِگر عرض اینکہ از گفتار بگذر
بمیدان آبہ آن کردارِ احمد

امید ماست باشی ابرِ نیساں
بکم مدت پئے گلزارِ احمد

خدایا آور آں ساعت کہ بینیم
دوبارہ گرم تر بازارِ احمد

بسعیِ ایں رجال پاک فطرت
بہر جا تازہ کن آثارِ احمد

چلاسی را سر و مال است حاضر
برائے یاریِ ہر یارِ احمد

فقط والسلام
منجانب: غلام النصیر چلاسی "

ایک دوسری امید کی کرن اسلام آباد سے ایک ریٹائرڈ فوجی افسر (میجر) صاحب کی صورت میں نظر آئی جو اسلام آباد کی ایک مسجد میں روزانہ درسِ قرآن دیتے ہیں اور اپنی زندگی کو اسی کام کے لئے وقف کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ بالکل راقم کے ہم عمر اور راقم ہی کی طرح 'عالم' نہیں بلکہ 'عامی' انسان ہونے کے ناطے مجھے اپنے اور انکے درمیان "کندہم جنس......" کی کیفیت کا شدت سے احساس ہوا اور اسی بنا پر شدید کشش محسوس ہوئی۔ چنانچہ راقم نے ان کے ایک درسِ قرآن میں بھی جزوی شرکت کی اور

محسوس کیا کہ ان کا درس "تذکیر بالقرآن" کا نہایت عمدہ نمونہ اور " از دل خیزد بر دل ریزد " کی نہایت اعلیٰ مثال ہے ۔ مزاج کی جامعیت، کا حال بھی یہ ہے کہ ذہناً جماعت اسلامی کے بہت قریب ہیں ۔ عملاً تبلیغی جماعت کے ساتھ طویل عرصہ فعال انداز میں لگایا ہے اور ان کے چوٹی کے اصحاب مشورہ میں سے رہے ہیں اور ادھر راقم کے ساتھ بھی کم از کم اتنا انس ضرور ہے کہ ایک روز کھانے پر مدعو فرمایا جس میں مولانا ظفر احمد انصاری اور جسٹس ریٹائرڈ محمد افضل چیمہ سمیت متعدد اہم شخصیات سے ملاقات کی سعادت نصیب ہوئی ۔ حال ہی میں تنظیم اسلامی کا جو علاقائی اجتماع راولپنڈی میں ۵ تا ۸ اگست منعقد ہوا اس کے دوران ان کی شدید خواہش تھی کہ میں ان کے یہاں قیام کروں اور ایک رات کے لئے میں وہاں گیا بھی لیکن بعد میں بعض رفقاء کے چہروں پر بد دلی کے آثار دیکھ کر میں نے اپنی طبیعت کی خرابی کے علی الرغم میجر صاحب کے آراستہ پیراستہ گھر کی سہولتوں کو خیر باد کہا اور اپنے ساتھیوں ہی کے ساتھ اڈیرا لگایا ـــــ میجر صاحب کا اسم گرامی ہے میجر محمد امین منہاس اور ان کا درس اسلام آباد کے سیکٹر G/۶ میں واقع جامع مسجد مؤتمر عالم اسلامی میں روزانہ بعد نماز مغرب ہوتا ہے ـــــ میجر صاحب کے قول کے مطابق ان کے پاس راقم کے دروس و خطابات کے تین صد سے زیادہ کیسٹ موجود ہیں ـــــ اور ان سب پر مستزاد اس اجتماع کے موقع پر انہوں نے لگ بھگ پانچ ہزار روپے کے کیسٹ مزید خرید فرمائے ہیں ـــــ لیکن راقم کے لئے اہم ترین بات یہ ہے کہ ان سے پہلی ملاقات میں ان کے ساتھ ان کے ایک صاحبزادے بھی تھے جو ابھی ابھی امریکہ سے کمپیوٹر سائنس کی اعلیٰ ترین تعلیم و تربیت حاصل کر کے آئے ہیں اور اپنی غیر معمولی ذہانت کی بنا پر بالکل نوعمری میں انہوں نے اس میدان میں بہت بلند مقام حاصل کر لیا ہے اور امریکہ میں ان کے لئے نہایت شاندار کیریئر متوقع ہی نہیں بالفعل شروع ہو چکا تھا ۔ لیکن یہ ان کی حد درجہ سعادتمندی ہے کہ انہوں نے وطن مراجعت کو ترجیح دی ـــــ راقم کی زبان سے بے اختیار الفاظ نکل گئے کہ "میجر صاحب ! انہیں ہمیں دو سالہ تعلیمی کورس کے لئے عنایت فرمادیں !" اس پر میجر صاحب نے تو ایک لمحہ کا توقف کئے بغیر فرمادیا کہ " حاضر ہے ، لے جائیے !" لیکن اصل مسئلہ خود صاحبزادے کا تھا ۔ وہ جلد از جلد اپنے کیریر کا آغاز کر دینے کی دھن میں تھے ۔ لہٰذا انہیں فیصلہ کرنے میں تھوڑا سا وقت لگا ۔ لیکن عربی کہاوت " الولد سرّ لابیہ ! " کے مصداق انہوں نے فیصلہ کر ہی لیا اور اب وہ اس کلاس میں شرکت کے لئے لاہور منتقل ہو گئے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ذوق و شوق عطا فرمائے اور ثبات و استقامت سے نوازے ۔

(۶)

ایک " من حیث لا یحتسب " قسم کی تائید ایزدی کی مثال اور بھی ان دنوں سامنے آئی ہے۔ مناسب ہے کہ وہ بھی 'میثاق' کی وساطت سے رفقاء و احباب کے علم میں آجائے۔ سب جانتے ہیں کہ ہمارا تاحال پریس سے رابطہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس میں کچھ تو ہمارے کام کی نوعیت کا بھی تقاضا تھا کہ جبتک یہ کسی نہ کسی حد تک زمین میں جڑیں نہ جمالیتا خواہ مخواہ کی مصنوعی پبلسٹی مفید ہونے کی بجائے مضر ہوتی۔ اور کچھ میرے مزاج کو بھی دخل حاصل ہے کہ اپنی میڈیکل پریکٹس کے زمانے میں بھی میرا حال یہ تھا کہ جب کوئی صاحب مجھے مریض کو دکھانے کے لئے اپنے گھر لے جانے کی خواہش کا اظہار کرتے تھے تو مجھے سخت ناگوار محسوس ہوتا تھا اور میری انتہائی کوشش یہی ہوتی تھی کہ مریض خود میرے مطب میں آئے' ـــــ لیکن اب جبکہ راقم خود اس ضرورت کو محسوس کر رہا تھا کہ پریس سے مناسب رابطہ قائم ہو اللہ تعالیٰ نے جس طرح چھپر پھاڑ کر ایک سینئر صحافی کی ہمہ تن اور ہمہ وقت خدمات ہمیں عطا فرما دی ہیں۔ اس کا اندازہ درج ذیل خط سے ہو سکتا ہے

مکرم و محترم جناب ڈاکٹر صاحب! زاد لطفکم

سلام مسنون!

اکتوبر ۱۹۸۴ء میں ایک دو روز کے لئے لاہور آیا تھا حسنِ اتفاق سے برادر نسبتی جناب محمد طاہر صدیقی کی معیت میں جمعہ کی نماز باغ جناح میں ادا کرنے اور آپ کا خطبہ سننے کی سعادت حاصل ہوئی ـــــ راولپنڈی واپس آیا تو میثاق اور حکمتِ قرآن کے اکتوبر کے شمارے "تنظیم اسلامی کی دعوت" تنظیم اسلامی کی قرارداد تاسیس مع توضیحات' سرافگندیم ساتھ لایا۔ میں آپ کے موقف سے متفق تھا۔ لیکن اس سے پہلے رائے ونڈ کے سالانہ اجتماع میں شرکت کا وعدہ کر چکا تھا۔ ـــــ

ـــــ چنانچہ ایفائے وعدہ کے طور پر اس اجتماع میں شرکت کی اور وہیں یہ فیصلہ کیا کہ مجھے آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیئے۔ چنانچہ رائے ونڈ سے واپسی پر ارادۃً لاہور میں رکا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لیکن شرف ملاقات سے اس لئے محروم رہا کہ آپ ملتان تشریف رکھتے تھے۔ اس ضمن میں اتنا عرض کرتا چلوں کہ اکتوبر ۱۹۸۴ء میں جو آپ کا خطبہ سنا وہ میرے لئے آپ کا پہلا خطاب نہیں تھا۔ دراصل میں آپ کے ان دروسِ قرآن میں شرکت کی سعادت حاصل کر چکا تھا جو آپ نے برسوں پہلے فیض الاسلام کے ہال میں دیئے۔ پھر ٹیلیویژن پر آپ کی تقاریر التزام کے ساتھ سنیں۔ ہر چند کہ میں اس سے قبل ڈاک کے توسط سے یا بالمشافہ آپ کی خدمت میں باریابی کا شرف حاصل نہ کر سکا، لیکن باور کیجئے ؎

"لیکن تیرے خیال سے غافل نہیں رہا"

اس وقت میں عمر کی اس منزل میں ہوں (تعارف کے لئے زندگی کے مختصر کوائف منسلک ہیں) جہاں کندھے پر بستہ رکھ کر انجانے مقامات کے سفر کی نہ سکت اور نہ اجنبی مساجد میں میلے کچیلے کپڑے دھو کر سکھانے کی فرصت اور نہ اس خیال سے اتفاق کہ دین کی راہ میں نکلنے والے کے میلے کچیلے لباس پہ جہنم کی آگ اثر نہیں کرتی۔ میری خواہش یہ ہے کہ دین کی خدمت کے لئے کہ تنظیم اسلامی کے شعبۂ نشر و اشاعت سے منسلک ہو جاؤں۔ میں نے قرآن اکیڈمی (ماڈل ٹاؤن) میں آپ کے دفاتر دیکھے ہیں۔ ان دفاتر کی خاکروبی اور فراشی کے علاوہ تقاریر کی ٹیپ سے کاغذ پہ منتقلی اور پروف ریڈنگ کا کام کر سکتا ہوں۔ اگر آپ یہ یا کوئی اور خدمت میرے سپرد فرمائیں گے تو میں آپ سے یا تنظیم اسلامی سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کروں گا۔ آپ سے صرف اکادمی کی مسجد کی چٹائی پر سونے کی اجازت چاہوں گا۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ تنظیم اسلامی سے متعلق کسی بھی شعبہ میں حقیر ترین خدمت بھی دین کی خدمت کے ذیل میں آئے گی۔ اگر اللہ جلّ شانہٗ اسے کسی بھی طور قبول فرما لیں گے تو یہ ان کا کرم ہوگا۔ اور میرے لئے خوش نصیبی کی بات۔ اپنے طور پر تو میں پا بہ رکاب ہوں اور حاضری کے لئے صرف آپ کی اجازت کا منتظر۔ ویسے میرا خیال ہے کہ شرفِ ملاقات حاصل ہونے میں اب زیادہ تاخیر نہ ہوگی (انشاء اللہ) کہ ۵، ۶، ۷، اور ۸ اگست کو آپ راولپنڈی میں تشریف فرما ہوں گے۔ ۵ اگست کے لئے تو صلائے عام ہے۔ ۶ اور ۷ اگست کو منعقد ہونے والے کارکنوں کے تربیتی اجتماع میں شرکت کے لئے میں نے اجتماع کے ناظم جناب واسطی سے خصوصی اجازت حاصل کر لی ہے۔ خدائے بزرگ و برتر آپ کو تا دیر سلامت رکھے اور دین کی زیادہ سے زیادہ خدمت کی توفیق ارزانی فرمائے۔ والسلام مع الاکرام

احقر، اقبال

اس خط کے ساتھ ان کا جو ذاتی کوائف نامہ (BIODATA) جو بزبان انگریزی منسلک تھا اس کا عکس بھی ہدیۂ قارئین ہے۔

BIO DATA

NAME:	IQBAL AHMAD SIDDIQUI
Date of Birth:	March 20, 1919.
Address:	94 - A, Satellite Town, Rawalpindi
Phone:	843256
Education:	B. A. from Agra University in 1942.
Experience:	1943-1948: Member of the Editorial Team of daily 'Anjam', Delhi, rising to Editorship of the paper. (Migrated to Pakistan on September 1947, to start all over again for the new State).

Dec. 1947 - May 1953: Member editorial staff of daily Zamindar, Lahore, starting as Sub-Editor, rose to be the Chief Reporter and then News Editor of the paper.

1952 - 1954: Correspondent Agence France-Presee (AFP).

1955 - March 1964: Bureau Chief AFP. Lahore.

(In March 1964 AFP seized independent functioning in Pakistan and linked up with Pakistan Press International, closing down this bureau).

Oct. 1964 - March 1965: AFP Correspondent at Karachi.

June 1966 - March 1968: Editor Pakistan Press International for East Pakistan (Dacca).

Sep. 1966 - July 1968: AFP Correspondent for East Pakistan stationed at Dacca.

1959 worked for six months at Extreme Orient Desk of AFP in Paris.

1953-1954: Assistant Editor of Star weekly (Egnlish), Lahore.

1958 - 1971: Freelace Journalist, contributing articles and write-ups to various newspapers and to Radio Pakistan.

1972-73: Special Correspondent and News Features Producer, Pakistan Television Corporation.

During

During this period produced a number of special reports and documentaries including the weekly feature "Around Town" dealing with civic problems.

1973-1975: Producer Current Affairs Programmes (on contract) Pakistan Television Corporation.

1975 - Todate: Freelance Journalist. Have been contributing articles and write-ups for the newspapers and participating in Radio & T.V. programmes. Have produced the entire copy of special supplements for the Canadian press for the December 1982 visit of the President of Pakistan to Canada.

الحمدللہ کہ جناب اقبال احمد صدیقی صاحب لاہور منتقل ہو کر اکیڈمی میں 'مورچہ بند' ہو گئے ہیں اور اپنے کام کا آغاز کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں استقامت عطا فرمائے اور ان کی خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے (بعد میں جب صدیقی صاحب سے تفصیلی تعارف ہوا تو معلوم ہوا کہ وہ راقم کے ذرا دور کے عزیز اور رشتہ دار بھی ہیں اور میری والدہ ماجدہ مدظلہا کے پھوپھا صاحب کے خاندان سے ان کا بہت قریبی رشتہ ہے۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر گہرے دوستانہ مراسم ہیں)۔

اس تحریر کے ابتدائی حصہ میں ۷۳ء کی پہلی سالانہ قرآن کانفرنس کے ضمن میں مولانا امین احسن

اصلاحی صاحب کا ذکر بھی آیا تھا اور حدِّ رجم کے بارے میں ان کی انتہائی گمراہ کن" رائے کا بھی ـــــ اس ضمن میں میرے ردِیّے کے بارے میں بعض احباب اور بزرگوں کے ذہنوں میں کچھ اشکال ہے جسے میں اس موقع پر رفع کر دینا چاہتا ہوں ۔ (چنانچہ مولانا سیّد وصی مظہر ندوی صاحب نے بھی اپنے ایک خط میں اس سلسلے میں ایک شبہ کا اظہار کیا تھا اور حال ہی میں مولانا عبد الغفار حسن مدظلہٗ نے بھی الحمد للہ کہ کوئی شبہ وارد کرنے یا فیصلہ صادر کرنے کی بجائے ' استفسار ' کیا ہے اور وضاحت طلب فرمائی ہے) شبہ یہ ہے کہ مولانا اصلاحی کے بارے میں میری رائے میں شدّت پیدا ہونے کے اصل اسباب کوئی اور ہیں اور حدِّ رجم کے بارے میں ان کی رائے کو میں نے صرف بہانہ بنایا ہے ۔

واقعہ یہ ہے کہ اگرچہ میں ' میثاق ' کے اوّل یوم اشاعت سے اس کا خریدار ہی نہیں ، اس کے 'معاونین ' اور ' سرپرستوں ' میں شامل تھا تاہم اس میں شائع ہونے والی تفسیر کو کبھی شاذ ہی پڑھتا تھا (اس لئے کہ اس طرح بالاقساط شائع ہونے میں تسلسل قائم نہیں رہتا) ۔ بہرحال جب ۱۹۶۶ء میں میں لاہور منتقل ہوا اور میں نے ' میثاق ' کی ادارت بھی سنبھالی اور ' دار الاشاعت الاسلامیہ ' بھی قائم کیا تو اس وقت تک ' تدبّر قرآن ' کی جلد اوّل تسوید و تبییض کے جملہ مراحل طے کر کے مولانا کے ایک دوست کے پاس ' رہن ' تھی (اس لئے کہ مولانا نے اپنی کسی ضرورت کی بنا پر ان سے پانچ ہزار روپے قرض لئے تھے ، اور جب وہ قرض واپس نہ کر سکے تو انہوں نے تفسیر کا مسوّدہ اٹھا کر ان کے حوالہ کر دیا کہ یہ " متاعِ فقیر " حاضر ہے ۔ ادھر وہ صاحب مسلکاً مولانا سے اختلاف رکھتے تھے لہٰذا تفسیر کو شائع بھی نہیں کر رہے تھے !) بہرحال میں نے اسے ان سے واگذار کرایا ۔ اور شائع کر دیا ۔ جسے اس وقت مولانا نے اپنی ذات پر میرا " احسانِ عظیم " قرار دیا ۔ اس کے بعد دوسری اور پھر تیسری جلد کی بالاقساط اشاعت ' میثاق ' میں ہوتی رہی ۔ چنانچہ جلد دوم کی کتابی صورت میں اشاعت بھی " دار الاشاعت " کے زیرِ اہتمام ہوئی ۔ البتہ تیسری جلد کی کتابی صورت میں اشاعت سے پہلے پہلے ' مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ' کا قیام عمل میں آگیا اور میں نے ' دار الاشاعت ' کو بند کر دیا اور جملہ اشاعتی سلسلہ انجمن کو منتقل کر دیا ۔ چنانچہ تیسری جلد مکتبۂ انجمن کے زیرِ اہتمام طبع ہوئی مزید یہ کہ اس وقت تک مولانا کے پاس جلد چہارم کا مسوّدہ بھی تیار ہو چکا تھا ۔ چنانچہ جلد چہارم میں شامل سورتوں میں سے سوائے ایک یعنی سورہ کہف کی تفسیر کے اور کسی کی ' میثاق ' میں اشاعت کی نوبت ہی نہیں آئی ۔ یہ براہِ راست کتابی صورت ہی میں منصّۂ شہود پر آئی ـــــ اور اس میں سورہ

نور کی تفسیر شامل ہے جس کی پہلی تین آیات ہی کے ضمن میں حدِ رجم سے متعلق مولانا کی رائے پہلی بار سامنے آئی۔

ادھر راقم کا حال یہ رہا کہ 'میثاق' میں تفسیر کا مطالعہ اس نے نہ تو اشاعت سے پہلے کیا نہ بعد میں، اس کے مطالعۂ تدبرِ قرآن کا سلسلہ اس درس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا جو اس نے مسجدِ خضراء سمن آباد میں اپنے مرتب کردہ منتخب نصاب کا دو بار درس دے چکنے کے بعد مصحف کی ابتداء سے مسلسل بیان شروع کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ 'تدبرِ قرآن' کی جلد چہارم ۱۹۷۶ء کے دوران کسی وقت شائع ہو گئی تھی لیکن راقم کے علم میں حدِ رجم کے ضمن میں مولانا کی رائے مئی ۱۹۷۸ء میں آئی۔ اس لئے کہ الحمد للہ اس کی وہ ذاتی ڈائری محفوظ ہے جس میں درج ہے کہ سورہ نور کی آیات ۱ تا ۳ کا درس راقم نے مسجدِ خضراء میں جمعہ ۵ مئی ۱۹۷۸ء کو دیا تھا۔ چنانچہ راقم کو اب تک یاد ہے کہ راقم نے لاہور میں اپنے درسِ قرآن کی دس بارہ سالہ تاریخ کے دوران پہلی بار نام لے کر ایک جانب مولانا اصلاحی پر شدید تنقید کی ـــ اور ان کے مقابلے میں نام لے کر مولانا مودودی کی رائے کی بھرپور تحسین کی اور اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ اس جلد کی اشاعت پہلی بار تو میری لاعلمی میں ہو گئی ہے جس میں جو حصہ بھی میرا ہے اس پر اللہ تعالیٰ سے معافی کا خواستگار ہوں لیکن دوبارہ کم از کم یہ جلد میرے یا انجمن کے اہتمام میں شائع نہیں ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ چونکہ اس وقت تک اس کتاب کی ایک مارکیٹ بن چکی تھی چنانچہ جلد اوّل دوسری بار انجمن کے زیرِ اہتمام تین ہزار کی تعداد میں شائع ہوئی تھی اور جلد دوم اور غالباً جلد سوم کے بھی دوسرے ایڈیشن طبع ہو چکے تھے۔ چنانچہ جلد چہارم جیسے ہی بازار میں آئی ہاتھوں ہاتھ لی گئی اور فوراً ختم ہو گئی۔ اور جلد ہی اس کے طبعِ ثانی کا شدید تقاضا پیدا ہو گیا لیکن راقم نے کسی صورت اسے دوبارہ شائع نہیں کیا (یہ دوبارہ شائع ہوئی تو ۱۹۸۲ء میں، گویا پورے چھ سال بعد، اور وہ بھی 'فاران فاؤنڈیشن' کے زیرِ اہتمام!) ـــــــ

ساتھ ہی یہ بھی نوٹ کر لیا جائے کہ مولانا سے میں نے ملاقات کا سلسلہ مارچ ۱۹۷۶ء میں منقطع کر دیا تھا۔ اس کا مفصّل پس منظر میں نے دسمبر ۷۶ء کے 'میثاق' میں درج کر دیا تھا (جو دوبارہ 'حکمتِ قرآن' کے جولائی اگست ۸۲ء کے شمارے میں شائع ہوا) وصل و فصل کی اس طویل داستان کا اختتام راقم نے ان الفاظ پر کیا تھا :

"اسی پس منظر میں راقم نے مارچ ۱۹۷۶ء میں تیسری سالانہ قرآن کانفرنس میں شرکت کی دعوت مولانا کو دی۔

اور حسبِ سابق اسے بھی مولانا نے منظور فرمالیا لیکن بعد میں اپنے بعض دوستوں اور شاگردوں کے اصرار پر شرکت سے انکار کر دیا ـــــــ یہ گویا ان دو طرفہ تعلقات کے ضمن میں اونٹ کی کمر پر آخری تنکا ثابت ہوا اور راقم نے فیصلہ کر لیا کہ آئندہ مولانا کی خدمت میں حاضری کا سلسلہ بھی بند کر دیا جائے تاکہ وہ بار بار اس طرح کی پریشان کن صورتِ حال سے دوچار نہ ہوں اور اس طرح ربع صدی پر پھیلے ہوئے وہ تعلقات اختتام پذیر ہو گئے جو پورے بیس سال نہایت گرم جوشی کے ساتھ قائم رہے اور بعد ازاں "نام کھنڈر بتا رہے ہیں عمارت عظیم تھی" کے مصداق پورے پانچ سال میں رفتہ رفتہ کم ہو کر اس حد کو پہنچے کہ اب آٹھ ماہ سے صورت وہی پیدا ہو چکی ہے کہ ؎

بس اتنا سا تعلق اب ان سے رہ گیا ہے　　وہ مجھ کو جانتے ہیں میں ان کو جانتا ہوں"

آج بھی ہر شخص اس پوری داستان کو حرفاً حرفاً پڑھ کر فیصلہ کر سکتا ہے کہ 'انقطاعِ تعلق' کے شدید ترین، فیصلہ کے باوصف اس وقت تک میری مولانا کے بارے میں رائے میں ہرگز کوئی شدت موجود نہ تھی اور میں نے وہ پوری داستان مولانا کے ادب اور مقام و مرتبہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے سپردِ قلم کی تھی (جس پر مجھے باضابطہ سند ہی نہیں باقاعدہ داد سردار محمد اجمل خاں لغاری نے دی تھی!) ـــــ میری رائے میں 'شدت'، جو بھی پیدا ہوئی وہ کل کی کل مولانا کی اس رائے اور اس سے بڑھ کر ان کے اس طرزِ استدلال اور اندازِ تحریر پر مبنی ہے جو انہوں نے حدِ رجم کے ضمن میں اختیار کیا ہے اور جسے میں "انکارِ سنت" سے کم تر کوئی نام دینے کو ہرگز تیار نہیں! (یہی وجہ ہے کہ 'حکمتِ قرآن' کے محولہ بالا شمارے کے آخر میں 'پس نوشت' کے عنوان سے جو حلفی حاشیے کے ساتھ چوکھٹا شائع کیا تھا وہ حسب ذیل ہے:

مولانا امین احسن اصلاحی سے 'وصل و فصل' کی داستان کے آخر میں عرض کیا گیا تھا کہ: "مولانا کے ساتھ تعلق کا جو تسمہ اب لگا رہ گیا ہے وہ صرف مصنف اور ناشر کے تعلق کی نوعیت کا ہے اور وہ بھی راقم اور مولانا کے مابین نہیں بلکہ انجمن خدام القرآن اور مولانا کے مابین ہے۔۔"

قارئین کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ اب یہ تعلق بھی ختم ہو چکا ہے۔ اور انجمن نے اپنی ادا کردہ رقم واپس لیکر مولانا کو ان کی جملہ تصانیف کے حقوقِ اشاعت واپس لوٹا دیے ہیں۔

سبب اس کا یہ ہوا کہ 'تدبر قرآن' کی جلد چہارم میں سورۂ نور کی تفسیر کے ضمن میں مولانا نے حدِ رجم کے بارے میں جو رائے ظاہر کی ہے اس نے کم از کم اس مسئلے میں انہیں اہلِ سنت کی صفوں سے نکال کر منکرینِ حدیث کی صف میں لا کھڑا کیا ہے۔ جس وقت یہ جلد چھپی راقم نے

ابھی اسے پڑھا نہیں تھا۔ بعد میں جب یہ بات راقم کے علم میں آئی تو سخت صدمہ ہوا کہ اس رسالے کی اشاعت میں راقم الحروف اور اُس کی قائم کردہ 'انجمن خدام القرآن' بھی شریک ہے۔ تاہم جو تیر کمان سے نکل چکا تھا اُس پر تو اب سوائے استغفار کے اور کچھ نہ کیا جا سکتا تھا۔ البتہ اس جلد کی دوبارہ اشاعت پر طبیعت کسی طور سے آمادہ نہ ہوئی ——— ادھر یہ بھی کسی طرح مناسب نہ تھا کہ ایک مصنف کی تصنیف کی اشاعت صرف اس لئے رُک جائے کہ وہ اُس کے حقوق اشاعت کسی ادارے کے ہاتھ فروخت کر چکا ہے ——— بنابریں تفسیر 'تدبر قرآن' کی بقیہ چار جلدوں کے ناشر برادرم ماجد خاور صاحب نے جیسے ہی مولانا کی جملہ تصانیف کے حقوقِ اشاعت کی واپسی کے سلسلہ میں گفتگو کی، راقم نے فوری آمادگی کا اظہار کر دیا اور الحمدللہ کہ خاور صاحب کی مساعیٔ جمیلہ اور مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی مجلسِ منتظمہ کی منظوری سے یہ معاملہ بغیر کسی تلخی کے باحسن وجوہ طے پا گیا ——— الغرض مولانا سے اب یہ رشتہ بھی بالکلیہ منقطع ہو گیا ہے!

——— اسرار احمد

اس سب کچھ کے باوجود گذشتہ رمضان مبارک کے دوران راقم کی طبیعت میں ایک شدید داعیہ پیدا ہوا۔ خیال یہ آیا کہ تمہارا راستہ ۱۹۵۷ء میں مولانا مودودی سے جدا ہوا۔ اس کے باوجود ۱۹۶۲ء تک تم ان سے ملتے رہے اور ۱۹۶۳ء میں حج کے لئے روانگی سے قبل تو باضابطہ منٹگمری (حال ساہیوال) سے لاہور اسی لئے گئے کہ حج کے لئے روانہ ہونے سے قبل مولانا سے کم از کم دل کا معاملہ صاف کر لوں۔ پھر مکہ مکرمہ، منیٰ، اور مدینہ منورہ میں متعدد ملاقاتیں ہوئیں۔ (اس لئے کہ بعد میں مولانا بھی رابطہ عالم اسلامی کے تاسیسی اجلاس کے لئے بلا لئے گئے تھے!) البتہ اس کے بعد سے مسلسل ۱۷ برس اس حال میں گزرے کہ صرف ایک پبلک جلسہ میں انہیں دیکھا (اس کے اسباب کیا تھے! ——— یہ ایک طویل داستان ہے جسے راقم نے لکھنا شروع کیا تھا لیکن جاری نہ رکھ سکا ——— اب جب موقع ہوگا اور اللہ کو منظور ہوگا یہ سب صفحۂ قرطاس پر آ جائے گا) لیکن پھر ۱۹۷۹ء میں یہ شدید خواہش لئے ہوئے امریکہ گئے کہ وہاں مولانا سے ضرور ملاقات کریں گے ——— اگر مشیت ایزدی کے تحت ملاقات کی بجائے صرف نمازِ جنازہ کی سعادت حاصل ہو سکی! ——— تو سوچو کہ اگر آج تم مر جاؤ تو کیا مولانا اصلاحی تمہارے جنازے میں شریک نہ ہوں گے؟ میرے دل نے یہی جواب دیا (صحیح یا غلط) کہ مولانا ضرور تشریف لائیں گے، اسی طرح

کیا اگر تمہاری زندگی کے دوران مولانا کا انتقال ہو جائے تو کیا تم ان کی نماز جنازہ ادا نہ کرو گے ! اس کا جواب تو حتمی اور قطعی ہے کہ لازماً کروں گا ——— تو سوال پیدا ہوا کہ کیوں نہ زندگی ہی میں کم از کم ملنا جلنا تو دوبارہ شروع کر لیا جائے ——— یہ خیال تقریباً دو ہفتے ذہن کا بار بنا رہا۔ بالآخر رمضان المبارک کی ——— ۱۱ تاریخ کو راقم نے حسب ذیل عریضہ مولانا کی خدمت میں ارسال کر ہی دیا :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یکم جون ۸۵ء

مطابق ۱۱ رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ

محترمی مولانا، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

امید ہے مزاج بخیر ہوں گے ۔ ایک خیال اگرچہ اس سے قبل بھی کئی بار دل میں آیا ——— لیکن ادھر چند دنوں سے اس نے اتنا زور باندھا ہے کہ یہ سطور ارسال خدمت کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔

ہمارے تعلقات میں سرد مہری یا گاہے گاہے تلخی کا سلسلہ تو اگرچہ اس سے بھی کئی سال قبل سے چل رہا تھا لیکن ملاقات کے انقطاع کا آغاز مارچ ۷۶ء میں ہوا تھا ۔ گویا اسے یہ دسواں سال ہے ۔ اس عرصہ میں میں آپ کی خدمت میں صرف دو بار حاضر ہوا : ایک اپنی 'خوشی' کے موقع پر یعنی اپنے بڑے بیٹے کی دعوت ولیمہ میں شرکت کی درخواست لے کر جسے آپ نے نامنظور فرما دیا تھا اور دوسرے 'غمی' کے موقع پر یعنی آپ کی اہلیہ محترمہ کے انتقال پر نماز جنازہ میں شرکت کے لئے ۔

اس طویل عرصہ کے دوران جانبین کی طرف سے اپنے اپنے اصولی موقف کی وضاحت پر مشتمل غائبانہ تلخ کلامیاں بھی ہوئیں اور گرما گرم تحریریں بھی سپرد قلم ہوئیں اور اس ضمن میں بلاشبہ زیادتیاں بھی ہوئیں اگرچہ جیسے کہ عام طور پر ہوتا ہے کہ ہر فریق اپنے آپ کو حق بجانب یا معذور قرار دے کر سارا الزام فریق ثانی پر ڈال دیتا ہے، ہم بھی اپنے اپنے مقام پر اپنے آپ کو حق بجانب اور دوسرے کو مورد الزام ٹھہراتے رہے ——— تاہم کم از کم نظری طور پر اس کا انکار ممکن نہیں ہے کہ زیادتیوں کا امکان دونوں ہی جانب سے موجود ہے ۔

تو اب جبکہ ہمارے اختلافات کا علم سب کو ہے اور ایک دوسرے کے موقف کے فرق کو بھی سبھی جانتے ہیں کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم اپنے اختلاف کو برقرار رکھتے ہوئے، اس عرصہ کے دوران جانبین کی طرف سے جو بھی زیادتیاں ہوئی ہیں انہیں تہ دل سے معاف کر دیں اور قطع تعلق کی موجودہ فضا کو ختم کرتے ہوئے کم از کم نجی سطح پر گاہے گاہے ملاقات کی صورت پیدا کریں؟ ——— میرا خیال ہے کہ اگر ہم " We agree to disagree " کی یہ صورت پیدا

کر سکیں تو یہ ایک نہایت عمدہ مثال ہوگی ـــــ اور کم از کم میں اپنی طبیعت میں اس کے لئے ایک شدید داعیہ محسوس کرتا ہوں تاہم اس کے لئے ضروری ہے کہ آپ بھی اس کے لئے ذہناً اور قلباً آمادہ ہوں۔

اگر ایسا ہو تو میری درخواست ہے کہ آپ مجھے مطلع فرما دیں تاکہ میں پہلی فرصت میں ملاقات کے لئے حاضر ہو جاؤں۔ اس کے لئے آپ کے یہاں سے کوئی بھی مندرجہ بالا تین ٹیلیفونوں میں سے کسی پر مجھے اذنِ باریابی کی اطلاع دے سکتا ہے۔ فقط والسلام مع الاکرام

بخدمت گرامی مولانا امین احسن اصلاحی، خاکسار اسرار احمد عفی عنہ

لاہور (دستی)

اس کا جو جواب راقم کو ملا وہ تو صرف 'خاموشی' پر مشتمل تھا ـــــ البتہ میرے ان رفیقِ کار کو جو عریضہ لے کر مولانا کے پاس گئے تھے یہ لینے کے دینے پڑ گئے کہ ان سے مولانا نے دریافت کیا کہ "آپ کب سے ڈاکٹر اسرار کے ساتھ ہیں؟" اور جب جواب ان کی توقع کے خلاف ملا کہ تقریباً شروع ہی سے یعنی جب سے ڈاکٹر صاحب نے سمن آباد سے اپنے کام کا آغاز کیا تھا! "تو مولانا نے فرمایا کہ "پھر آپ سے کیا بات کی جائے!" گویا کہ آپ یا تو عقل و فہم سے عاری ہیں یا غیرت و حمیت سے تہی دست؟ ـــــ انا للہ وانا الیہ راجعون!!

(۸)

'تفسیر تدبر قرآن' کے ضمن میں ایک واقعہ اور بھی ہے جو میرے بہت سے بزرگوں اور احباب و رفقاء کے علم میں ہے لیکن آج میں اسے بھی برملا ریکارڈ پر لے آنا چاہتا ہوں ـــــ اور وہ یہ کہ بالکل آغاز میں جب میں نے 'میثاق' کی ادارت سنبھالی ہی تھی اس میں سورۂ نساء کی تفسیر شائع ہونی شروع ہوئی۔ اتفاقاً اس کی بھی بالکل ابتدائی آیات کے ضمن میں مولانا نے ایک بات سلف کے مجمع علیہ موقف سے ہٹ کر کہی جس سے منکرینِ سنّت اور متجددین کے طبقے کو تقویت حاصل ہوتی تھی (اور وہ یہ کہ سورۂ نساء کی آیت ۲ میں وارد شدہ لفظ "النساء" کو عموم پر برقرار رکھنے کی بجائے "اماتِ یتامیٰ" کے مفہوم میں خاص قرار دیدیا تھا) حسبِ عادت میں نے اسے پڑھا بھی نہیں تھا۔ لیکن منٹگمری میں میرے ایک عمر کے اعتبار سے بزرگ ویسے بے تکلفی کے اعتبار سے مشفق دوست مولانا برکات احمد خاں نامی تھے جن کا تعلق ٹونک[1] ہی سے

---

[1] مولانا برکات احمد خاں مرحوم مولانا مفتی دلی حسن ٹونکی کے قریبی اعزّہ میں سے تھے اور ان سے ملاقات پر معلوم ہوا کہ ان کے علم میں یہ سارا واقعہ موجود ہے۔

تھا (جہاں کے مشہور عالم دین مولانا حکیم برکات احمد صاحب ٹونکیؒ استاذِ گرامی مولانا معین الدین اجمیری تھے) انہوں نے فرمایا کہ یہ تفسیر تو سلف کی رائے کے خلاف ہے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ تفصیلی خط لکھ دیں میں مولانا اصلاحی صاحب کی خدمت میں پہنچا دوں گا۔ اس خط کو پڑھ کر مولانا نے مجھ سے سوال کیا کہ "یہ صاحب کون ہیں؟" میں نے عرض کیا کہ ایک جدید عالم دین ہیں، کبھی نواب صاحب ٹونک کے مصاحب خاص اور ناک کے بال تھے ــــ اب صرف ایک ہائی سکول میں عربی ٹیچر ہیں۔" اس پر مولانا نے ان کا خط پھینک دیا اور فرمایا کہ "اگر کوئی بڑا شخص لکھے گا تو میں غور کروں گا۔ ہر ایرے غیرے کا جواب دینے کا وقت میرے پاس نہیں ہے!" ــــــــ ان ہی دنوں میرا جانا کراچی ہو گیا اور وہاں حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کی خدمت میں بھی حاضری ہوئی تو خیال آیا کہ کچھ ہی عرصہ قبل حضرت مفتی صاحب، مولانا اصلاحی، حکیم عبدالرحیم اشرف اور جناب کوثر نیازی نے مل جل کر ایک "مجلس اصلاح و دعوت" تشکیل دی تھی۔ گویا مفتی صاحب کے اس وقت قریبی مراسم مولانا اصلاحی سے ہیں تو کیوں نہ ان سے درخواست کروں ــ جب میں نے حضرت مفتی صاحب کے سامنے اصلاحی صاحب کی رائے بیان کی تو انہوں نے فرمایا "یہ تو بڑی گمراہی ہے!" اس پر میں نے عرض کیا کہ "حضرت آج کل آپ کے ان سے قریبی مراسم ہیں اگر آپ متنبہ فرمائیں تو شاید اصلاح ہو جائے۔ اس لئے کہ ابھی تفسیر صرف 'میثاق' میں شائع ہوئی ہے۔ کتابی صورت میں نہیں آئی!" اس پر مفتی صاحب نے اپنی علالت اور مصروفیات کا عذر پیش کیا تو میں نے اپنی روانگی بے تکلفی کے ساتھ عرض کیا "حضرت! جب کوئی فتنہ شروع ہوتا ہے تو اس وقت اس کی سرکوبی کے لئے آپ حضرات کے پاس وقت نہیں ہوتا ــ اور جب وہ جڑ پکڑ جاتا ہے اور تناور درخت کی شکل اختیار کر لیتا ہے تو آپ لوگ تیشے اور کلہاڑیاں لے کر آتے ہیں اور پھر آپ کے کئے کچھ نہیں ہوتا!" اس پر مفتی صاحب نے وعدہ فرمایا لیکن افسوس کہ کم از کم تین بار کی یاد دہانی کے باوجود وہ اپنا وعدہ پورا نہ کر سکے ــــــ میں اس وقت بھی شدید متردد تھا کہ جلد دوم شائع کروں یا نہ کروں لیکن مفتی صاحب کے اس واقعہ کے بعد میں نے غلط یا صحیح یہی گمان کیا کہ میں اب بری الذمہ ہوں۔ اللہ کے یہاں جواب دہی علماءِ کرام کے ذمے ہوگی۔" چنانچہ میں نے جلد دوم شائع کر دی۔! ــــــ بہر حال راقم کا مزاج جو بھی ہے اس کی ایک جھلک اس واقعہ میں بھی نظر آ سکتی ہے!

جولائی اور اگست ۸۵ء کے دوران "بینات" کراچی 'الخیر' ملتان' اور 'تعلیم القرآن' راولپنڈی میں جو مضامین راقم کے بارے میں شائع ہوئے ہیں ان پر راقم کا پہلا تاثر تو یہ تھا کہ ع "اک بندۂ عاصی کی اور اتنی مداراتیں" ـــــ اور دوسرا وہ جو غالبؔ کے شعر کی صورت میں اس تحریر کے آغاز میں درج ہو چکا ہے۔ تاہم راقم کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ ان مباحث میں مزید وقت ضائع نہیں کرے گا۔ ان تحریروں میں اکثر و بیشتر باتیں وہی پرانی دہرائی گئی ہیں کہ جو اس سے پہلے زیرِ بحث آ چکی ہیں اور راقم ان کے ضمن میں اپنا موقف شرح و بسط کے ساتھ بیان کر چکا ہے ـــــ اب تو دونوں جانب سے دعا یہ ہونی چاہیئے کہ ؎

یارب وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات
دل اور دے ان کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور

ـــــ چنانچہ

- اپنے عالم یا عامی ہونے کے بارے میں میں تفصیلاً عرض کر چکا ہوں ـــــ یہاں تک کہ میں تو "عصمت بی بی است بے چادری" کے مصداق اپنی کم علمی اور بے مایگی کے اعتراف کو اپنے لئے حفاظت اور عافیت کا حصار سمجھتا ہوں! (ویسے اس ضمن میں مولانا غلام النصیر چیلاسی دامت فیوضہم کا ایک جملہ افادۂ عام کے لئے نقل کئے دیتا ہوں کہ جب میں نے ان سے عرض کیا کہ میں عالم نہیں ہوں تو انہوں نے فرمایا "اصل علم توحید ہے۔ جسے یہ حاصل ہے اسے کل علم حاصل ہے"۔ واللہ اعلم!
- اسی طرح تقلید یا عدم تقلید یا نیم تقلید یا "مسلکِ اعتدال" یا مسلکِ ولی اللہی کے ضمن میں بھی میں اپنی بات بیان کر چکا ہوں ـــــ اور زیرِ تذکرہ مضامین میں اس ضمن میں بھی کوئی نئی بات سامنے نہیں آئی۔

البتہ صرف ایک وضاحت اور ایک احتجاج ریکارڈ پر لے آنا ضروری سمجھتا ہوں:

- وضاحت اس کی کہ میں نے اگر حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو "جماعت شیخ الہندؒ" سے خارج قرار دے کر انہیں ایک "متوازی شخصیت" قرار دیا تھا تو اس میں خدا شاہد ہے کہ ان کی کوئی توہین یا تنقیص مقصود نہیں تھی بلکہ میرے نزدیک وہ عمر اور رتبے ہر اعتبار سے حضرت شیخ الہندؒ کے جملہ شاگردوں کے مقابلے میں امتیازی شان رکھتے ہیں۔ البتہ سیاسیات

اور اجتماعیات میں ان کا ایک اپنا مستقل اور جداگانہ مسلک تھا جس سے کوئی بھی شخص انکار نہیں کرسکتا۔ ویسے ذاتی حیثیت میں میرے نزدیک ان کا مقام حضرت شیخ الہندؒ سے نیچے اور ان کے باقی تمام شاگردوں سے بلند تر ہے۔

● احتجاج اس پر کہ بیعت ایسے اہم دینی وعلمی مسئلے پر کیا 'البینات' اور 'الخیر' جیسے وقیع اور مؤقر علمی جرائد کے پاس بھی صرف ایک محمد جیسے غیر عالم اور ہر اعتبار سے عامی انسان عبدالمجیب صاحب نبی کی تحریر 'حرف آخر' کا درجہ رکھتی ہے؛ یہ تحریر جو ملک کے ہفتہ وار جرائد کے لئے تو موزوں ہوسکتی تھی۔ چنانچہ 'تکبیر' میں بھی چھپ چکی تھی اور 'حرمت' میں بھی کیا اس کی ان علمی اور دینی جرائد میں اشاعت کچھ لوگوں کے نزدیک "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" کا مصداق قرار نہ پائے گی ـــــ اور کیا ان جرائد کے مدیران گرامی نے ان اداروں کے مؤسسین حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ اور حضرت مولانا خیر محمد جالندھری کے مقام اور مرتبے کو نقصان نہیں پہنچایا ـــــ میری درخواست ہے کہ اس خالص دینی اور علمی موضوع پر کوئی مسلّمہ علمی حیثیت والی شخصیت کلام کرے تاکہ ہمیں بھی روشنی حاصل ہوسکے۔ اس لئے کہ اب یہ مسئلہ زندہ ہو چکا ہے، اور ملک کے طول وعرض میں زیر بحث ہے اور اس سے نہ صرف نظر ممکن ہے نہ "غض بصر" ـــــ اور ظاہر ہے کہ میرے اسلامی جمعیت طلبہ کے زمانے کے برادر خورد عزیزم عبدالمجیب سلمہٗ کا نہ یہ مقام ہے کہ وہ اس پر قلم اٹھائیں نہ یہ حیثیت ہے کہ ان کے جواب میں وقت ضائع کیا جائے!

رہ گیا محترم مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی کا مضمون تو ایک شدید مخمصے میں مبتلا ہوں کہ کیا کہوں کیا نہ کہوں۔ ایک جانب ان کا مقام ومرتبہ اور ان کا ادب واحترام ہے جو زبان کھولنے میں مانع ہے۔ دوسری جانب ان کی تحریر ہے جو سراسر غلط مفروضات اور احتیاطاً عرض ہے کہ جھوٹی اطلاعات پر مبنی ہے۔ وہ مولانا اشرف علی تھانوی کے داماد کی حیثیت رکھتے ہیں (اس لئے کہ اگرچہ مولانا تھانویؒ تو لاولدی فوت ہوئے تاہم ان کی دوسری اہلیہ کی اپنے سابقہ شوہر سے ایک صاحبزادی تھیں یعنی مولانا تھانویؒ کی ربیبہ جو مفتی صاحب کے گھر میں ہیں) اور غالباً اس وقت حلقۂ دیوبند کے معمر ترین مفتیوں میں سے ہیں! انہیں تو اپنی عمر کی بنا پر 'مرفوع القلم' قرار دیا جاسکتا ہے لیکن حیرت ہوتی ہے ان حضرات پر جو ان کی تحریریں شائع کرکے نقصان مایہ اور خجالت ہمسایہ کا سامان فراہم کررہے ہیں: بہرحال میں ان کے مضمون کے بھی

صرف مغالطوں کو دور کرنے کے لئے وضاحت کئے دیتا ہوں کہ :

- میں نے کبھی نکاح کے خطبہ مسنونہ کو "جنتر منتر" نہیں کہا البتہ اسے جیسے بالعموم پڑھا جاتا ہے اسے ضرور جنتر منتر پڑھنے سے تشبیہ دی ہے ۔
- میں نے خود بلا مبالغہ سینکڑوں نکاح پڑھائے ہیں (اور دوسرے نکاح خوانوں کے برعکس آج تک ایک پیسہ نہ بطور فیس لیا ہے نہ بطور ہدیہ) اور سب میں نکاح کا وہی خطبہ مسنونہ پڑھا ہے جو جملہ علماء پڑھتے ہیں ! ـــــ البتہ خطبہ سے قبل یا بعد خطبہ میں شامل آیاتِ مبارکہ اور احادیثِ شریفہ کا کبھی صرف ترجمہ بیان کر دیتا ہوں کبھی قدرے مزید وضاحت بھی تاکہ خطبہ کا اصل مقصد کسی درجے میں حاصل ہو سکے ۔
- میں نے بھی یہ نہیں کہا کہ نکاح صرف مسجد میں ہو سکتا ہے کہیں اور ہو ہی نہیں سکتا ! البتہ یہ ضرور کہا ہے کہ ترمذی شریف کی روایت کی رو سے یہ کم از کم افضل ضرور ہے کہ عقد نکاح کی محفل مسجد میں منعقد ہو ۔
- میں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ لڑکی والوں کی طرف سے دعوت حرام ہے ۔ البتہ یہ ضرور کہا ہے کہ اس کا ثبوت کوئی نہیں ہے ـــــ اور خود اپنے اوپر پابندی عائد کی ہے کہ میں نہ کبھی ایسے نکاح میں شریک ہوں گا جو مسجد میں نہ ہو ـــــ نہ لڑکی والوں کی جانب سے کسی دعوت طعام میں شریک ہوں گا ـــ (اس میں سے مؤخر الذکر پابندی کا اپنے اوپر عائد کر لینا حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے ثابت ہے)
- جہیز کی رسم کو البتہ میں قطعاً غیر اسلامی قرار دیتا ہوں اور اس ضمن میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی سے ثبوت لانے والوں کی عقلوں پر ماتم کرتا ہوں کہ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ اس شادی میں آنحضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت دوہری تھی : ایک طرف آپ دلہن کے والد ماجد تھے اور دوسری جانب دولہا کے ولی ـــــ پھر یہ صراحت بھی بعض روایات میں ملتی ہے کہ جو چند ضرورت کی چیزیں آنحضورؐ نے اس وقت فراہم فرمائی تھیں وہ مہر کی اس رقم کے ایک حصے سے تیار کی گئیں تھی جو حضرت علیؓ نے ادا کیا تھا ـــــ مزید برآں ذرا غور کیا جانا چاہئے کہ آنحضورؐ کی دو بیٹیاں حضرت عثمانؓ کے نکاح میں آئیں ان کے جہیز کا ذکر بھی کہیں ملتا ہے ! اور خود آنحضورؐ کے حجلۂ عروسی میں آنے کی متعدد ازواج مطہرات کو سعادت حاصل ہوئی وہ کونسا جہیز لے کر تشریف لائیں تھیں !
- یہ ایک سراسر بہتان ہے کہ میں عیسائیوں کی نقل کرتے ہوئے دلہنوں کو بھی بے پردہ محفل نکاح

میں لانا چاہتا ہوں، دوسروں کو تجدید ایمان اور تجدید نکاح کی تلقین کرنے والوں کو چاہیئے کہ وہ اس صریح بہتان طرازی پر خود ان امور کا اہتمام فرمائیں! ——— اس ملک میں پردہ کے ضمن میں کیا راقم ہی تجدد پسندوں کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض اور مغرب پرست بیگمات کے نزدیک سب سے زیادہ قابل نفرت انسان نہیں ہے؟ ——— راقم نے کراچی کی ایک مسجد میں جہاں اپنی ایک عزیزہ کے نکاح کے موقع پر صدر مملکت جناب ضیاء الحق صاحب پہلی صف میں تشریف فرما تھے۔ تقریر قبل از خطبۂ نکاح میں برملا سوال کیا تھا کہ جو لوگ پردہ کے قائل نہیں ہیں اور مرد اور عورت کے شانہ بشانہ ہونے کے فلسفے کے سب سے بڑے داعی ہیں وہ مجھے جواب دیں کہ اس محفل میں لڑکی کیوں موجود نہیں ہے؟ یہ اس کی زندگی بھر کا معاملہ ہے جو یہاں طے ہو رہا ہے اور ایک اتنا بڑا معاہدہ ہے جس کی کوئی نظیر بین الانسانی معاہدات میں پیش نہیں کی جاسکتی۔ پھر ایسا کیوں ہے کہ یہاں معاہدے کا صرف ایک فریق (دولہا) اصالتاً حاضر ہے۔ ——— اور دوسرا فریق (یعنی دلہن) صرف وکالتاً حاضر ہے!

خاص اس معاملے میں تو میں یہ عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ حضرت مفتی صاحب قبلہ کو مجھ سے تو معافی مانگنے کی ضرورت نہیں۔ وہ صرف اشارہ کردیں میں خود ان کی قدمبوسی کو حاضر ہو جاؤں گا لیکن اللہ تعالیٰ سے ضرور استغفار کریں اور معافی کے خواستگار ہوں!

● اسی طرح آج تک جتنے نکاح میرے اہتمام میں مسجد میں ہوئے ان میں سے کسی میں فوٹو گرافی نہیں ہوئی! ——— اور نہ ہی خواتین مسجد میں آئی ہیں، ——— قرآن اکیڈمی کی جامع مسجد کے ساتھ ایک ہال تعمیر کیا گیا ہے جو مسجد کے حکم میں نہیں ہے۔ اس کے نیچے تین رہائشی کوارٹر ہیں اور اوپر بھی طلبہ کی رہائش گاہیں ہیں۔ خواتین صرف اس ہال میں آتی ہیں۔ اسی طرح مسجد السلام باغ جناح کے ساتھ ہی ایک لائبریری بھی ہے، خواتین کا اہتمام اس کے برآمدے میں ہوتا ہے۔ یا اس سے متصل لان میں ہوتا ہے جو مسجد میں شامل نہیں ہے، (اور یہ کام مفتی صاحب برا نہ مانیں، سالہا سال سے کراچی کی مسجد خضرا میں جہاں کے امام وخطیب تھانوی سلسلہ ہی کے ایک اہم بزرگ مولانا شمس الحسن تھانوی مدظلہٗ ہیں، وہاں بھی ہوتا ہے کہ مسجد سے متصل گھاس کے پلاٹ میں شامیانے لگ جاتے ہیں اور خواتین وہاں جمع ہوتی ہیں)۔

بہرحال راقم اس ضمن میں تھانوی سلسلہ سے منسلک جملہ بزرگ اور نوجوان حضرات سے اپیل کرتا ہے کہ وہ حضرت مفتی صاحب کو سمجھائیں کہ وہ بزرگوں کی عزت کو اس طرح چوراہے میں لاکر رسوا کرنے سے باز رہیں۔

(۱۰)

عام طور پر تو خیال یہ ہے کہ ۱۴ اگست ۸۵ء کو پاکستان اپنی عمر کے ۳۸ سال پورے کر کے انتالیسویں سال میں داخل ہو گیا ہے ـــــ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تقویم (یعنی قمری حساب) سے پاکستان نے گذشتہ رمضان المبارک کی ۲۷ تاریخ کو اپنی عمر کے چالیسویں سال میں قدم رکھ دیا تھا۔ اور اب اس کے بھی ڈھائی ماہ گذر چکے ہیں ـــــ اور واقعہ یہ ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل آلِ فرعون کی غلامی سے نجات پانے کے بعد اپنی بزدلی کے باعث چالیس سال تک "صحرائے تیہہ" میں بھٹکتے رہے تھے اسی طرح ملتِ اسلامیہ پاکستان بھی انگریز اور ہندو کی دوہری غلامی سے خالصتہً اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نجات پانے کے بعد سے اب تک اپنی نااہلی کے باعث سیاسی اور دستوری اعتبار سے اس بُری طرح بھٹک رہی ہے کہ ایک جانب یہ شعر جس طرح اس پر آج سے ثلث صدی قبل صادق آتا تھا اسی طرح آج بھی آ رہا ہے کہ ؎

اس سوچ میں کلیاں زرد ہوئیں اس فکر میں غنچے سوکھ گئے
آئینِ گلستاں کیا ہوگا ؟ دستورِ بہاراں کیا ہوگا!

اور دوسری جانب بارہا ایسا ہوا کہ کٹر مسلم لیگی اور سرتاپا پاکستانی حضرات نے بھی اپنے آپ کو مایوسی کے اتھاہ اندھیروں میں ڈوبتے محسوس کیا۔ چنانچہ پروفیسر مرزا محمد منوّر صاحب کی ایک غزل جو دو بار 'میثاق' میں شائع ہوئی اس کا مقطع یہ ہے کہ ؎

خنک روزے بود یا بیم اگر خضرِ ہدایت را
کہ رہوارِ یقین ما بہ صحرائے گماں گم شد

راقم الحروف کے ان موضوعات پر بہت عرصہ کے سوچ بچار کا حاصل بعض نہایت محکم نظریات ہیں اور پاکستان کے اس چالیسویں سال کو راقم مستقبل کے اعتبار سے بہت فیصلہ کن سمجھتا ہے ـــــ ـــــ بنابریں اس نے اولاً ۲ اگست ۸۵ء کی شام کو لاہور کے واپڈا آڈیٹوریم میں ایک پونے تین گھنٹے کی تقریر "استحکامِ پاکستان" کے موضوع پر کی جس کے عام آڈیو کیسٹوں کے علاوہ وڈیو کیسٹ بھی تیار کر لیا گیا اور پھر راولپنڈی میں ۶ اور ۷ اگست کو اسی موضوع کو دو حصّوں میں تقسیم کر کے "استحکامِ پاکستان کا واحد ذریعہ: اسلامی انقلاب" اور "انقلابِ اسلامی کے لوازم و مراحل" کے عنوان سے مجموعی طور پر پونے پانچ گھنٹے خطاب کیا۔

محترم اقبال احمد صدیقی صاحب ان خطابات پر کام کر رہے ہیں اور ان شاء اللہ العزیز ان دونوں

کے مضامین کو باہم مربوط اور یکجا کر کے "میثاق" کی اگلی ہی اشاعت میں ہدیۂ قارئین کر دیا جائے گا۔ اس عرصے کے دوران جو حضرات عام "آڈیو" ـــــ اور بہتر ہے کہ "وڈیو" کیسٹوں کے ذریعے اس تقریر کو خود سنیں اور اپنے رفقاء و احباب کو سنائیں (بلکہ دکھائیں!) کا انتظام کریں وہ ان شاء اللہ اس کی افادیت کو خود محسوس کریں گے!

اس مستقل اور اساسی موضوع کے ساتھ ساتھ ـــــ یہ بھی محسوس ہو رہا ہے کہ شاید آئندہ چند ماہ میں پاکستان کی تاریخ ایک بار پھر اپنے آپ کو دہرائے اور ۱۹۶۸ء کے سے حالات دوبارہ ملک میں پیدا ہو جائیں۔ راقم کے اس ضمن میں بھی بعض سوچے سمجھے نظریات ہیں جن سے 'میثاق' کے موجودہ قارئین کی اکثریت واقف نہیں ہے۔ لہٰذا قبل اس کے کہ راقم اب اس موضوع پر قلم اٹھائے ان شاء اللہ آئندہ ہی اشاعت میں راقم اپنے ان سیاسی تجزیوں کے بعض اہم حصے دوبارہ شائع کر دے گا جو اس نے اس زمانے میں تحریر کئے تھے تاکہ ریکارڈ درست رہے اور یہ نہ کہا جا سکے کہ یہ سب کچھ خیالات کی ایک وقتی اور فوری سی لہر کا مظہر ہے۔

'میثاق' کے اس شمارے سے ایک اہم تبدیلی یہ ہو رہی ہے کہ مولانا سعید الرحمٰن علوی اس کے ادارۂ تحریر میں باضابطہ شامل ہو گئے ہیں ـــــ چونکہ مسلسل آٹھ سال سے (یعنی اکتوبر ۷۷ء سے) محترم شیخ جمیل الرحمٰن صاحب 'میثاق' کی ترتیب و تدوین ہی نہیں کر رہے تھے بلکہ اس کا بیشتر مواد بھی راقم کے دروس و خطاب کو کیسٹوں سے خود منتقل کر کے فراہم کر رہے تھے اس ماہ انہوں نے جو عرض احوال تحریر کیا تھا اس میں کچھ 'الوداعی' سا انداز اختیار کیا تھا لیکن میں اسے شائع نہیں کر رہا ہوں اس لئے کہ اب بھی 'میثاق' کی مجلس ادارت میں سرفہرست نام ان ہی کا رہے گا اور اگرچہ میں نے لاہور کے قیام کی صورت میں اپنی عمر اور علالت کے باعث جو مشقت وہ جھیل رہے تھے اس سے انہیں رخصت دے دی ہے اور اب وہ سارا کام کراچی ہی میں قیام فرما کر سرانجام دیں گے لیکن 'میثاق' کے ساتھ ان کے ربط و تعلق میں ہرگز کمی نہیں آئے گی۔ ان شاء اللہ ـــــ انہوں نے تو اپنے تحریر کردہ 'عرض احوال' میں اپنے بہت سے ساتھیوں کا الوداعی انداز میں شکریہ ادا کیا تھا ـــــ حقیقت میں وہ پوری تنظیم اور سب سے بڑھ کر میرے ذاتی شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے دن رات کام کر کے 'میثاق' کی شمع کو اپنی بساط بھر روشن رکھا! اللہ انہیں اس کا اجر و ثواب عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین! یارب العٰلمین!! ●●●●

دِل افگندیم

بسم اللہ مجرٖھا و مُرسٰھا

از قلم

مولانا سعید الرحمٰن علوی

(1)

خاندانی اور دینی و تعلیمی پس منظر

احقر ایک متوسط گھرانے کا فرد ہے۔ آباد و اجداد کا قریبی حد تک جو علم ہے اس کے مطابق ان حضرات کا مستقر سرگودھا راولپنڈی روڈ پر واقع مشہور کوہستانی سلسلہ "کلر کہار" تھا۔ تقسیم "شعوب و قبائل" کے حسب تعارفی سلسلہ کا قرآن عزیز نے ذکر کیا اس کے مطابق خاندان کا سلسلہ حضرت الشیخ محمد حنفیہ بن امام راشد خلیفہ چہارم سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے۔ اسی سبب سے ہم لوگ "علوی" کہلاتے ہیں۔ والد بزرگوار حضرت الشیخ مولانا محمد رمضان العلوی خطیب الجامعہ گلشن آباد راولپنڈی کے ذاتی کتب خانہ میں اس سلسلہ کا شجرہ موجود ہے جس کا معاملہ بس اتنا ہی ہے کہ یہ ایک تعارفی چیز ہے اور قرآن عزیز کی سورۂ حجرات کی آیت کریمہ (۱۳) سے بہر طور اس کا ثبوت ملتا ہے ورنہ اصل بات وہی ہے جس کا ذکر امام عادل و راشد سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:۔ "نَحْنُ قَوْمٌ اَعَزَّنَا اللّٰہُ بِالْاِسْلَامِ

اور سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ تعالیٰ تک جیسے مردانِ احرار و فدایانِ اسلام نے جس طرف اشارہ کیا جب ان سے ان کے والدین کی نسبت کا سوال ہوا تو فرمایا: سلمان بن اسلام ——— عبید اللہ بن الاسلام اصل نسبت یہی ہے اور اسی پہ موت و حیات کی خواہش و تمنا ہے۔ ؎

ع ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

میرے پردادا بزرگوار حضرت الحافظ چراغ دین قدس سرہٗ نے کلر کہار (سابقہ ضلع سرگودھا حال خوشاب) سے مشہور قصبہ "بھیرہ" ضلع سرگودھا میں نقل مکانی کی۔ یہ قصبہ بہت قدیم ہے اور کبھی ایک معقول شہر تھا۔ خیر و شر کی قوتوں کے حامل اعاظم رجال اس قصبہ سے اٹھے، کبھی بابر کا عارضی مستقر رہا۔ اور سلطان الہند شیر شاہ سوری مرحوم کی یادگار عظیم جامع مسجد تواب بھی اس شہر کے ماتھے کا جھومر ہے جو سکھ گردی کے دور میں تعلیم و تدریس اور رکوع و سجدہ سے محروم ہو گئی تا آنکہ یہ روز ظلمت اپنے انجام کو پہنچا تو قریب ہی کے گاؤں بگہ ضلع جہلم کے ایک علمی خاندان کے فرزند مولانا احمد دین بگوی رحمہ اللہ تعالیٰ فیض یافتہ و شاگرد حضرت الامام الشاہ عبدالعزیز دہلوی قدس سرہٗ نے اس کی از سر نو آبادی کا اہتمام کیا۔ انہی کے خاندان کے اخلاف اس کا نظم و انتظام چلانے والے ہیں، مولانا مرحوم کے بعد مولانا ظہور احمد بگوی علیہ الرحمۃ بانی امیر مجلس مرکزیہ حزب الانصار بھیرہ کا دور بڑا مثالی تھا۔ اب انہی کے نبیرہ برادر عزیز صاحبزادہ ابرار احمد بگوی امام و خطیب اور مدرسہ کے منتظم و نگران ہیں۔

پردادا مرحوم کی کلر کہار میں اچھی خاصی جائیداد تھی لیکن فقر و درویشی اور توکل و استغنا کی یہ شان تھی کہ سب سے منہ موڑ کر رزق حلال کے لئے محنت مزدوری، کھیتی باڑی کا سلسلہ رکھا اور خدمت قرآن عزیز میں لگے رہے۔ انہوں نے اور ان کی اولاد نے کبھی پلٹ کر اپنی جاگیر و جائیداد کی فکر نہ کی، احقر کی بچپن کی زندگی تک وہاں سے تقاضے آتے رہے لیکن دادا مرحوم اور والد صاحب مدظلہ نے توجہ نہ دی اور فرمایا کہ جو چیز بڑوں نے چھوڑ دی اب اس کی جانب رجوع کا کیا فائدہ!

میرے دادا مرحوم حضرت الحافظ الحاج غلام یٰسین صاحب قدس سرہٗ پانچ بھائی تھے۔ ان سمیت تین حضرات کا علم و فضل، خدمت قرآن اور نیکی و تقویٰ کا شہرہ ہے۔ دو پڑھے پڑھا نہ سکے لیکن عبادت اور خیر کے کاموں میں انہماک ان کا بھی بہت تھا۔

دادا مرحوم ابتدا میں کھیتی باڑی کا شغل فرماتے تاکہ رزق حلال کا اہتمام ہو سکے اور ساتھ ہی حفظ قرآن کا اہتمام تھا اور اس کتاب مقدس کے طالبوں کو بچوں سے زیادہ عزیز رکھتے اور انہیں اپنے ساتھ کھلاتے پلاتے۔ اغلباً ۱۹۰۳ء یا اس کے لگ بھگ اپنے شیخ و مربی کے حکم سے انہوں نے شیر شاہی جامع مسجد (بگویہ) میں درس و تدریس قرآن کا سلسلہ شروع کیا۔

مرحوم کے شیخ کا اسم گرامی تھا " احمد خان " جو بانی تھے خانقاہ سراجیہ مجددیہ کندیاں ضلع میانوالی کے، سلاسل اربعہ کا مشہور سلسلہ نقشبندی "جس کو عروج تک پہنچانے کا سہرا حضرت الامام مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے سر ہے، اتباع سنت کی شان میں دوسرے سلاسل سے فائق شمار ہوتا ہے۔ دور کی بات تو نہیں کرتا لیکن حضرت الامام مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے لے کر اب تک کے حضرات، جن میں سے بعض کو پڑھا، بعض کو دیکھا" اس شان میں نہایت درجہ ممتاز ہیں۔ حضرت الامام مجدد الف ثانی، ان کے خلف الرشید حضرت خواجہ محمد معصوم، حضرت شاہ ابوسعید، حضرت مرزا مظہر جانجاناں، حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی۔ حضرت حاجی دوست محمد قندھاری، حضرت خواجہ سراج دین موسیٰ زئی شریف (ڈیرہ اسمٰعیل خان) حضرت مولانا احمد خان، شیخنا المکرم مولانا محمد عبداللہ لدھیانوی، موحد اعظم مولانا حسین علی، محدث کبیر مولانا نصیر الدین غورغشتوی، مولانا سید زوار حسین (کراچی) مولانا عبدالغفور مدنی، خواجہ غلام نبی للّٰہی، مولانا محمد عمر بیربلوی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے حضرات اسی سلسلہ کے چشم و چراغ تھے اور اب اس کی چلت پھرت تسویہ استاذنا المحترم حضرت الشیخ مولانا محمد سرفراز خاں صفدر، مخدوم گرامی مولانا خان محمد امیر مجلس تحفظ ختم نبوت، مولانا سید علاء الدین شاہ صاحب اور مولانا محمد ادریس انصاری جیسے حضرات ہیں اللہ تعالیٰ ان کا سایہ ملت کے سروں پر قائم رکھے۔

حضرت الامام مجدد قدس سرہٗ کا ذکر خیر آگے آئے گا۔ حضرت مولانا احمد خان کے متعلق مختصراً سن لیں کہ ان کے شیخ تھے خواجہ سراج الدین موسیٰ زئی والے، اور انہیں علم سے گہرا لگاؤ تھا جس کی زندہ شہادت خانقاہ سراجیہ مجددیہ کندیاں کا وہ عظیم الشان کتب خانہ ہے جسے موصوف نے بڑی محنت سے فراہم کیا اور اس کی اس طرح حفاظت کی کہ چشم فلک نے اس کی مثال کم ہی دیکھی ہوگی۔ امام العصر حضرت السید محمد انور شاہ کاشمیری محدث دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت کی دعوت پر وہاں تشریف لائے، بہت متاثر ہوئے۔ بعض کتب جو دیوبند کے کتب خانہ میں نہ تھیں وہ مستعار لے گئے۔ جس زمانے میں اس فدائے علم و حریت نے اس خانقاہ کی بنیاد رکھی، یہاں محض ریت کے تودے تھے، برائے نام رہائشی مکان، چند حجرے، مسجد اور کتب خانہ، لیکن ان کی گرمی نفس نے "جنگل میں منگل" کی کیفیت پیدا کر دی اور اب وہاں سے علم و عرفان کے چشمے اُبلتے ہیں۔ اس خانقاہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے وابستہ حضرات میں اکثریت علماء کرام کی ہے، حضرت الشیخ الشاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے

خانقاہ رحیمی رائے پور کے ساتھ یہ دوسری خانقاہ ہے جہاں کثرت سے علماء حاضر ہوتے اور علاج روحانی کا اہتمام کرتے ہیں' ان سے بہت سے حضرات نے کسب فیض کیا لیکن اصل دولت لودھیانہ کے ایک بظاہر دنیادار شخص کے بیٹے مولانا محمد عبداللہ نے' جنہیں علم و روحانیت کی طرف راغب کیا مولانا عبدالعزیز رائے پوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے جن کا تھوڑا عرصہ ہوا انتقال ہوا چک ۱۱ چیچہ وطنی میں' مولانا محمد عبداللہ شاگرد تھے امام العصر سیّد انور شاہ کے اور خادم و مجاز تھے مولانا احمد خان کے' نہایت درجہ غیور و جسور' علم و روحانیت کا پہاڑ' مجاہد و غازی اور غیرت دینی کی زندہ مثال' اور اب اس مسند پر فروکش ہیں مخدوم و محترم مولانا خان محمد مدظلہ جو خانقاہ ہی ذمہ داریوں کے ساتھ مرزائیت کے تعاقب میں سرگرم عمل ہیں (ان حضرات کے تذکرے مولانا محمد نذیر عرشی مرحوم کی کتاب "تحفۂ سعدیہ" میں ملاحظہ فرمائیں)۔

ہمارے خاندان میں احقر اور اس کے چھوٹے بھائی عزیزی حافظ عبدالرحمٰن سلمہ کے سوا باقی سب کا تعلق اسی خانقاہ اور انہی بزرگوں سے ہے۔ ہم دونوں بھائیوں کا روحانی تعلق تو شیخ الاسلام' مجاہد فی سبیل اللہ' امام حریت السیّد حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کے فرزند سعید و رشید مولانا سیّد اسعد مدنی مدظلہٗ سے ہے۔ تاہم ان حضرات سے عقیدت و احترام کا معاملہ بحمداللہ قائم ہے۔

بگوی خاندان کے بہت سے حضرات جہاں ضلع سرگودھا کی مشہور چشتی نظامی خانقاہ "سیال شریف" سے وابستہ تھے وہاں بہت سے حضرات اس نقشبندی خانقاہ سے بھی وابستہ تھے۔ اس تعلق سے ان حضرات نے حضرت مولانا احمد خان سے درخواست کی اور دادا مرحوم کو شیخ نے حکماً مسند تدریس پر بٹھایا۔ دادا مرحوم نے چند سال قبل وفات پائی۔ ساٹھ برس کے لگ بھگ عرصہ انہوں نے تدریس کا فریضہ بے لوث طریق سے ادا کیا۔ اور بلاشبہ ہزاروں کو قرآن پڑھایا۔ ان کی وفات پر سارا شہر سوگوار تھا اور ہر شخص اس خوبی کا با چشم گریاں معترف! ۳۱ برس کا عرصہ تو انہوں نے جامع مسجد بگویہ میں گزارا۔ پھر ۱۹۶۱ء میں بوجوہ وہاں سے الگ ہو کر ایک ماہ اپنے مکان کی بیٹھک میں اور بعد میں اہل محلہ کی درخواست پر محلہ کی مسجد میں۔ ۶۰، ۶۵ طلبہ ہمیشہ رہتے جن میں ۲۰، ۲۵ وہ ہوتے جن کی کفالت کے وہ خود نگران تھے۔ وَیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ (الطلاق) کی کیفیت ہم نے ان کی زندگی میں دیکھی۔

جب تک جامع مسجد شیر شاہی (مگویہ) میں تھے تو گھر سے مسجد کا لگ بھگ ۲ فرلانگ کا فاصلہ تھا۔ صبح منہ اندھیرے جاکر طلبہ کو محبت سے جگانا، فجر کی نماز پڑھانا، دوپہر تک تدریس، بعد ازظہر تا عصر تدریس، پھر طلبہ کے کھانے کی فکر اور مغرب و عشا کی نمازیں پڑھا کر واپسی ہوتی۔ کیسا ہی موسم ہو اس معمول میں فرق نہ آتا۔ ایک زمانہ میں بھیرہ سیلاب کی زد میں رہا۔ ہر سال سیلاب میں سارا شہر ڈوب جاتا لیکن مرحوم طلبہ کی خبر گیری اور ذوق تدریس کی تکمیل کو کئی کئی فرلانگ پانی میں چل کر جو بسا اوقات گھٹنوں سے زائد ہوتا، مسجد پہنچتے۔ محلہ کی مسجد مکان کے پڑوس میں تھی۔ پنجگانہ نماز اور خطبہ جمعہ بھی ارشاد فرماتے۔ زندگی کے آخری چند برس بالکل مضمحل ہو گئے اپنی زندگی میں مجاہدہ بہت کیا، خوراک ہمیشہ برائے نام رہی۔ آخر میں گھل گئے تھے۔ ہمارے شدید اصرار پر چچا محترم مولوی حافظ حفیظ الرحمٰن صاحب کو اس مسند پر بٹھایا۔ خود چارپائی پر پڑے رہتے۔ کبھی تو اٹھ کر درس میں جا بیٹھتے اور کبھی منزل سنانے والے طلبہ کو اپنے پاس بلا کر سننا شروع کر دیتے۔ اس کے علاوہ اپنا پڑھنا ہوتا ایسے حال میں بھی پندرہ پارے روزانہ پڑھ جاتے اور خواہش یہ تھی کہ رب العزت اسی حال میں دنیا سے لے جائے۔ بڑے بیٹے (احقر کے والد) مولانا محمد رمضان علوی جنازہ پڑھائیں اور جملہ عزیز موجود ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر خواہش پوری کی۔

(تغمدہ اللہ تعالیٰ بغفرانہ ورحمہ اللہ تعالیٰ)

الحمد للہ خاندان میں یہ روایت قائم ہے کہ پہلے حفظ قرآن کا اہتمام ہو۔ اسی سعادت سے ہم سب بھائی (پانچوں) بغیر استحقاق اللہ تعالیٰ کی عنایت سے بہرہ ور ہوئے، بڑے تین مولانا عزیز الرحمٰن خورشید، احقر اور مولوی عبدالرحمٰن سلمہٗ نے دادا جی سے حفظ کیا۔ دو چھوٹے عتیق اور خالد سلمہما نے پنڈی ہونے کے سبب ابا جان سے۔

احقر کی تعلیم ساری کی ساری بڑے بھائی جان کے ساتھ ہوئی۔ حفظ اکٹھا، سکول کا برائے نام سلسلہ اکٹھا اور درس نظامی اکٹھا۔ حفظ، احقر نے بحمد اللہ تعالیٰ ۸½ برس کی عمر میں کر لیا تھا، اس کے بعد عصری تعلیم کے لئے سکول میں داخل ہوئے۔ سمجھ لیں کہ مڈل کا قصہ ہوا اور دادا جی کی خواہش اور بعض دوسرے عوامل کے سبب درس نظامی میں لگ گئے۔ اس موقعہ پر سکولی اساتذہ سمیت بعض دوسرے حضرات نے سابقہ لائن میں ہی آگے بڑھنے کی خواہش ظاہر کی۔ بعض احباب ابا جان سے بگڑے بھی تاہم دو مخلص احباب الحاج عبدالمجید اور حکیم ایرانی صاحب نے اس فیصلہ کی دل و جان سے تائید کی۔

مجلس احرار اسلام سے گہرے تعلق و ربط کے سبب مولانا محمد علی جالندھری قدس سرہ العزیز سے حضرت والد صاحب کو جو تعلق خاطر تھا اس کے سبب اس سلسلے میں آپ نے ان سے مشورہ کیا اور دوسرا مشورہ اغلباً علامہ خالد محمود صاحب سے ہوا۔ ہر دو حضرات نے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ارشد و اجل استاذنا المحترم مخدوم گرامی مولانا خیر محمد قدس سرہ کے مدرسہ خیر المدارس ملتان کی رائے دی۔ بلکہ مولانا محمد علی نے داخلہ کے سلسلہ میں زبردست تعاون و امداد فرمائی۔ مولانا محمد علی کا تعلق مولانا خیر محمد سے نہ صرف عزیز داری کا تھا بلکہ استاذی شاگردی کا بھی تھا۔ جالندھر کے زمانہ قیام میں انہوں نے مدرسہ کی تعمیر و ترقی میں مخلصانہ ہاتھ بٹایا جس پر خیر المدارس کے پرانے ریکارڈ گواہ تھے۔ وہاں تدریس کا فریضہ سرانجام دیا اور تحریکی زندگی کے بعد بھی اس تعلق کو بڑے اخلاص سے نبھایا۔ ۱۹۴۲ء میں اپنے شیخ شاہ عبدالقادر رائے پوری اور مجلس احرار کے رہنماؤں کے حکم سے انہوں نے ملتان میں مسجد سراجاں حسین آگاہی میں خطبہ جمعہ کا اہتمام کیا تو وہاں ایک درسگاہ کی بھی داغ بیل ڈالی اور تقسیم ملک کے بعد جب خیر المدارس ملتان آگیا تو مدرسین، طلبہ، لائبریری سب کچھ استاذ مرحوم کی نذر کر دیا۔ ہم خیر المدارس پہنچے تو عجب بہار تھی۔ مولانا خیر محمد مجسم وجود کے انسان تھے لیکن تدبیر و تنظیم میں اپنی مثال آپ۔ چہرے سے اخلاص و روحانیت ٹپکتی تھی۔ ان کی نگرانی میں اچھے اساتذہ کی ٹیم موجود تھی۔ مولانا محمد علی نے بڑی محبت سے اساتذہ سے تعارف کرایا جس کا ہمیں ہمیشہ فائدہ ہوا۔

ہمارے اساتذہ میں حضرت الشیخ قاری رحیم بخش اور مولانا محمد شریف جالندھری رحمہما اللہ تعالیٰ تو انتقال کر گئے۔ مولانا فیض احمد مہتمم مدرسہ قاسم العلوم ملتان (حالاً) مولانا محمد صدیق ناظم مدرسہ خیر المدارس۔ مولانا مفتی عبدالستار مفتی خیر المدارس، مولانا محمد اسحٰق مفتی مدرسہ قاسم العلوم، مولانا قاری عبدالحنان مقیم مدینہ منورہ، مولانا علی اصغر مقیم ملتان اور مولانا اللہ یار جیسے صاحبان علم و فضل اور سراپا خلوص و محبت حضرات زندہ ہیں (اللہ تعالیٰ انہیں سلامت رکھے)، ان کی محبتیں شفقتیں ہماری زندگی کا سرمایہ ہیں، میں رب ذوالجلال کی قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ میں نے ایسے مخلص، بے لوث محنتی اور فدایان علم و تدریس لوگ اپنی زندگی میں نہیں دیکھے۔ اعتقادات و معاملات کی دنیا میں ان حضرات کی تربیت نے جو سانچہ بنایا وہی بحمد اللہ قائم ہے۔ وقت کا کوئی تھپیڑا، طوفان اور تبدیلی اس کو بدل نہ سکی اور یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے اور ان حضرات کی دعاؤں سے اس کو اسی طرح رکھیں گے۔

حضرت مولانا خیر محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے تقاضا کر کے چند سبق تبرکاً پڑھے۔ ملتان کے قیام کے

زمانہ میں حضرت امیر شریعت، امام احرار السید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی جی بھر کر زیارت کی۔ ہر جمعہ قریب قریب ۲ گھنٹہ ان کی خدمت میں حاضری رہتی۔ حضرت والد صاحب پر ان کی شفقتیں بے پایاں تھیں۔ لیکن اس مرد حُر کا یہ دَور ایسا تھا کہ وہ بیماریوں کے سبب کہیں آجا نہ سکتے۔ زیادہ گفتگو بھی نہ فرماتے۔ مسلم لیگی حکومت کی کہہ مکرنیاں۔ رفض و سبائیت کے فتنے ان کو پریشان کئے ہوئے تھے۔ انہوں نے اسی دور میں فقر بوذری اور غیرتِ اسلامی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سکندر مرزا جیسے رجلِ عیّار سے ملنے سے انکار کیا تھا۔ حالات کی رفتار سے وہ بہت رنجیدہ خاطر تھے اور کبھی کبھار افسوس کے سے انداز میں فرماتے کہ اب ہمت و طاقت نہیں رہی ورنہ پھر ایک بار "انا الحق" کا نعرہ لگا کر میدان میں آتا۔ تاہم آنے جانے والوں کو غیرت کی خاص طور پر نصیحت فرماتے۔ معاصرین میں مولانا مدنی، مولانا آزاد، مولانا لاہوری، چودھری افضل حق اور مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کا کبھی ذکر آجاتا تو ان کا چہرہ خوشی سے کھل جاتا۔ عزیزوں میں قاضی احسان احمد، مولانا محمد علی، مولانا محمد حیات اور مولانا لعل حسین جیسے حضرات کے بڑے قدر دان تھے اور حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی سے تو ان کا تعلق دیدنی تھا نہ کہ شنیدنی۔

ملتان ہی کے زمانہ میں امام التفسیر مولانا احمد علی کی پہلی بار زیارت کی۔ متانت، وقار اور سنجیدگی و حلم کا ایک پہاڑ تھا، اللہ اللہ۔ چہرے پر وہ نورانیت کہ تاب دید نہیں۔ مولانا غلام غوث ہزاروی اور قاضی احسان احمد جیسے مردانِ احرار اور غیرت مند لوگ یہیں دیکھے۔ سب حضرات سے ابا حضور کا گہرا تعلق تھا لیکن ہماری عمر بہت کم تھی۔ اب یہاں ان بزرگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا اور ہر ایک نے بے پناہ محبتوں سے نوازا۔ مولانا مفتی محمد شفیع (کراچی) مولانا مفتی محمد شفیع (قاسم العلوم ملتان)، مولانا شمس الحق افغانی مولانا محمد شفیع (سرگودھا) مولانا سید محمد یوسف بنوری، مولانا عبدالحق (اکوڑہ خٹک) جیسے اربابِ علم کی زیارت اور خدمت کا یہاں بہت موقعہ ملا۔ اصل میں خیر المدارس علماء کی چھاؤنی تھی۔ تھانہ بھون سے تعلق کے باوصف حضرت بانی کے مزاج میں توسع تھا۔ سب سے میل جول تھا۔ قومی مسائل میں اجتماعی سوچ بچار کی عادت تھی۔ مدرسہ کے جلسہ پر سبھی حضرات کی آمد ہوتی۔ کوئی تفریق نہ تھی حکیم الاسلام قاری محمد طیب اور مولانا احتشام الحق کی زیارت بھی یہیں ہوئی۔ اور مولانا مفتی محمود کا ابتدائی دور بھی یہیں دیکھا۔ اب تو ایک آدھ کے سوا سب وہاں پہنچ گئے ہیں جہاں سے پلٹ کر کوئی نہیں آیا۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم!
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کئے؟

تحریک علمی دار العلوم دیوبند سے وابستہ مدارس کی عظیم تنظیم "وفاق المدارس العربیہ" اسی دور میں

معرض وجود میں آئی۔ خیر المدارس نے میزبانی کے فرائض سرانجام دیئے۔ ہمارے اساتذہ گرامی نے کراچی سے پشاور تک سے آئے ہوئے سینکڑوں علماء کی دو دن رات شبانہ روز خدمت کی اور چند طلباء کی ایک ٹیم ساتھ رکھی۔ ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس ٹیم میں ہم دونوں بھائی بھی شامل تھے تعلیم کے ساتھ تربیت، بزرگوں اور اساتذہ کی خدمت اور ایسے معاملات میں گھریلو ماحول کے بعد خیر المدارس کا بڑا حصہ ہے اور ہم اپنے مرحوم و زندہ اساتذہ اور اس عظیم دینی درسگاہ کے بے حد ممنون ہیں" اس کا شکریہ ادا ہونا بڑا مشکل ہے۔

مولانا خیر محمد کے بعد ان کے صاحبزادہ گرامی۔ استاذ محترم مولانا محمد شریف نے اس درسگاہ کو سنبھالا اور حق ادا کر دیا۔ جب انہوں نے سرزمین وحی مکہ معظمہ میں پیغام اجل پر لبیک کہا تو مدرسہ کے بہی خواہوں نے لاہور سے درآمدی منتظم کی سازش ناکام بنا کر مولانا کے صاحبزادے برادر عزیز مولوی محمد حنیف کو" صاحبزادگی نہیں، استحقاق کی بنیاد پر اہتمام کی ذمہ داری سونپی اور مدرسہ کے شیخ الحدیث مولانا محمد شریف کاشمیری جیسے عظیم استاذ سمیت باقی تمام اساتذہ نے وفاداری بشرط استواری کا حق ادا کیا جس کا نتیجہ ہے کہ تیسری پشت میں یہ مدرسہ ترقی کی منازل طے کر رہا ہے۔ (رب العزت اس اجتماعی نظم میں برکت دے اور مدرسہ کو شر اعداء سے بچائے)۔

دو سال مدرسہ میں تعلیم حاصل کی۔ دوسرے سال کے آخری حصہ میں احقر یرقان اور پھر ٹائیفائڈ کا شکار ہو کر رہ گیا۔ اس بیماری نے ادھ موا کر دیا اور میں اس شہر کی شدید گرمی کی تاب نہ لا کر وہاں سے نکل بھاگا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس مدرسہ میں تعلیم کی عدم تکمیل کا مجھے شدید احساس ہے لیکن "وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِہٖ" کا معاملہ ہے۔ قدرت نے اس کے بعد بھی نہایت درجہ مخلص، شفیق اور مہربان اساتذہ نصیب فرمائے اور جہاں رہے خوب پڑھنے کی توفیق ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اپنے فضل سے نوازا۔

مدرسہ خیر المدارس ملتان کے بعد اپنے آبائی ضلع کے صدر مقام سرگودھا کی مشہور دینی درس گاہ "جامعہ عربیہ سراج العلوم" جامع مسجد بلاک ۱۰ میں داخلہ لیا۔ اس مدرسہ کے بانی حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ موجودہ ضلع خوشاب کے ایک قصبہ "گنجیال" کے رہنے والے تھے۔ وہیں سے اس مدرسہ کی ابتدا ہوئی پھر کچھ عرصہ خوشاب یہ مدرسہ رہا اور آخر میں سرگودھا۔ حضرت الشیخ خود امام العصر سید محمد انور شاہ قدس سرہٗ کے شاگرد خاص تھے۔ بڑے غیور، فقیہ النفس اور نکتہ رس عالم تھے۔ خطابت میں بھی جاہ و جلال تھا۔ سرگودھا جس کی سیاست پر انگریزی اقتدار کے دور سے ہمیشہ مسلط رہے اور بعض پیران عظام نے افسوسناک طریقے سے ان کی سرپرستی کی، وہاں مفتی صاحب کا وجود بتکدۂ نمرودی میں "آواز ابراہیم" کا

مصداق" تھا۔ انہوں نے مومنانہ غیرت سے حالات کا مقابلہ کیا اور آوازۂ حریت کو پورے علاقہ میں پہنچایا۔
روحانی تعلق ان کا بھی خانقاہ سراجیہ کندیاں سے تھا۔ حضرت مولانا احمد خان قدس سرہٗ کے خلفاء کی فہرست میں شامل تھے اور حضرت الشیخ کا بڑا قرب حاصل تھا۔ اس نسبت سے ان کی خواہش بھی تھی۔ چنانچہ اس مدرسہ کو ہم نے اختیار کیا۔ ان کی مدرسانہ اور بزرگانہ شفقتوں کے ساتھ وہاں جن اکابر اساتذہ کے حضور کسب فیض کی توفیق نصیب ہوئی۔ ان میں سب سے اہم مقام تو ہمارے لئے مولانا صالح محمد صاحب کا تھا جو ٹانک ڈیرہ اسمٰعیل خان کی خواجہ برادری کے فرد تھے لیکن علم کی کشش مولانا مفتی محمد شفیع تک لائی۔ تکمیل دیوبند میں شیخ مدنیؒ سے کی اور پھر واپس استاذ و شیخ کے قدموں میں رہ گئے اور مسلسل ۵۸ برس اس درسگاہ کو اپنے خلوص اور علوم سے مالا مال فرمایا۔ ان سے ہمیں خاص نیازمندی حاصل تھی اور اب ان کے اشغال کے بعد بھی ان کے صاحبزادگان بالخصوص مولانا محمد صادق سے گہرا تعلق اور ایک طرح کے گھریلو روابط ہیں۔ مفتی صاحب کے دونوں صاحبزادے مولانا احمد سعید (حال خطیب مسجد) اور قاری عبد السمیع صاحب (مہتمم مدرسہ) جیسے نکتہ رس علماء اساتذہ اور مربیوں کی فہرست میں شامل تھے۔ اسی مدرسہ کے فیض یافتہ حضرات میں سے مولانا غلام غوث محمد اور مولانا عبد اللطیف جیسے جید اساتذہ سے استفادہ کیا۔ بنوں کے خطیب اعظم مولانا حضرت علی کچھ عرصہ مدرس رہے اور ان سے استفادہ کا موقعہ ملا۔ جبکہ حضرت مفتی اعظم ہند مولانا کفایت اللہ دہلوی کے خاص شاگرد مولانا خدا بخش رحمہ اللہ تعالیٰ سے خارج اوقات استفادہ کا موقعہ ملا۔ ان حضرات نے خیر المدارس کی علیحدگی کو محسوس نہ ہونے دیا اور کہنا چاہیئے کہ اس بنیاد پر بالائی عمارت کی تعمیر کا سروسامان کیا۔ تین سال اس مدرسہ میں گزرے۔ احقر کی علالت و بیماری جوں کی توں تھی اس لئے والد صاحب قبلہ نے حضرات مدرسہ سے اجازت لے کر احقر کو پنڈی میں بلا لیا اور بھائی جان وہیں رہے۔ دو سال کا یہ عرصہ ہم دونوں بھائی جدا جدا رہے۔

راولپنڈی میں جس مدرسہ میں احقر نے پڑھا اس کے بانی اور مہتمم تو تھے مولانا عبد الحکیم، جو احقر کے ابا جان کے عزیز دوست اور خانقاہ سراجیہ سے وابستہ تھے لیکن میری اصل دلچسپی کا مرکز تھے حضرت الاستاذ الشیخ مولانا محمد عثمان حسین ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ، جنکی الف سے یائے تک ساری تعلیم دیوبند میں امام راشد سید مدنیؒ کی نگرانی میں ہوئی اور اس کے بعد دس برس خانقاہ مدنی میں وہ فروکش رہے۔ حضرت الشیخ مدنی کے آخری غسل میں وہ شریک تھے۔ میرے شیخ مولانا اسعد سے ان کا گہرا رابطہ تھا اور حضرت محدث عصر مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی اور حضرت الشیخ بنوری قدس سرہما العزیز سے بہت ہی عقیدت تھی اور ان حضرات کی بھی ان پر بے حد شفقت تھی۔ ان کے پاس اسباق کے ساتھ ساتھ

معلومات کا وسیع خزانہ نصیب ہوتا اور ہم ان کی شفقتوں سے بے حد محظوظ ہوئے۔ میرے ابّا جان سے ان کا تعلق بے حد محبت و احترام کا تھا جس سے میں نے بہت فائدہ اٹھایا حتیٰ کہ ان کی بارگاہ میں گستاخی کی سٹیج پر پہنچ گیا۔ لیکن واہ رے ان کی محبت اور عفو و درگذر کی عادت، میں نے ہمیشہ انہیں متبسم پایا۔ علم سے گہری وابستگی تھی اور تدریس کا انداز بہت خوب، اُدھر اسی مدرسہ میں استاذی مولانا حبیب اللہ جیسے مجاہد، نڈر، بے باک اور زبردست مدرس انسان سے واسطہ پڑا جو غیرت و حمیت کا مرقع اور محنت و خلوص کا چلتا پھرتا نمونہ تھے۔

آخری مرحلہ دورۂ حدیث کا تھا۔ راولپنڈی میں ہمارے امتحان کے لئے محدثِ عصر، مولانا محمد سرفراز خاں صاحب صفدر زید مجدھم تشریف لائے، مشکوٰۃ شریف کا امتحان انہوں نے لیا مختلف مدارس میں دورہ کے متعلق سوچ بچار تھی۔ بالآخر انہی کی خدمت میں حاضری کا فیصلہ ہوا۔ مولانا اور ان کے برادرِ اصغر، استاذنا المحترم مولانا صوفی عبدالحمید دونوں دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتہ ہیں۔ اصل تعلق سوات سے ہے۔ آباء و اجداد ہزارہ آگئے اور اب زندگی گوجرانوالہ گذر رہی ہے۔ مولانا محمد سرفراز خاں صاحب کا روحانی تعلق مولانا حسین علی قدس سرہٗ سے ہے تو صوفی صاحب کا شیخ الاسلام مدنیؒ سے۔ اوّل الذکر رجالِ حدیث کے بلاشبہ اس وقت سب سے بڑے استاذ اور ماہر ہیں۔ ردِّ بدعات میں ان کا تحریری سرمایہ بے پناہ اور نہایت درجہ محققانہ ہے جس کی ہر سلیم الفطرت نے تعریف کی اور ہزارہا کی اس سے اصلاح ہوئی۔ گوجرانوالہ کے مشہور قصبہ گکھڑ میں خطابت کے فرائض کے ساتھ مسجد میں درس، بچوں کی تعلیم اور ایک سرکاری ادارہ میں بھی درس کا سلسلہ انجام دیتے ہیں اور روزانہ گوجرانوالہ تشریف لاکر مدرسہ نصرۃ العلوم میں حدیث کی کلیدی کتابوں بخاری و مسلم کا درس ارشاد فرماتے ہیں اور اب چند سال سے شعبان و رمضان کی تعطیلات میں دورۂ تفسیر پڑھانے لگے ہیں جس میں بے پناہ ہجوم ہوتا ہے۔ موصوف کا انداز محققانہ ہوتا ہے مناظرانہ نہیں۔

صوفی صاحب قبلہ مدرسہ نصرۃ العلوم کے بانی ہیں۔ گوجرانوالہ کے وسط میں گھنٹہ گھر کے قریب ایک بہت بڑے جوہڑ کو پاٹ کر مسجد نور و مدرسہ کی داغ بیل ڈالی گئی۔ یہ عمارت اپنی وسعت، استحکام اور علمی و روحانی مرکز کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے۔ حضرت صوفی صاحب کو حضرت الامام الشاہ ولی اللہ قدس سرہٗ اور ان کے خاندان بالخصوص شاہ رفیع الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کے علوم سے گہری مناسبت ہے۔ ان کی کئی کتابیں بڑے اہتمام سے ایڈٹ کرکے انہوں نے چھپوائیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی کتاب "اجوبہ اربعین" جو تردید رفض میں لاجواب کتاب ہے اس کو بعد از تصحیح اہتمام سے انہوں

نے چھاپا۔ شیخ الاسلام مدنی، امام انقلاب سندھی، امام الہند مولانا آزاد اور شیخ التفسیر مولانا لاہوری سے انہیں غایت درجہ تعلق ہے۔ ان کا خطبہ جمعہ اور صبح کا درس قرآن علوم و معارف کا خزینہ ہوتا ہے اور اس میں لوگوں کی حاضری مثالی ہوتی ہے۔ انہی حضرات کی خدمت میں تکمیل علوم کی توفیق نصیب ہوئی۔ ساتھ ہی ساتھ مولانا قاضی محمد اسلم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ (ہری پور ہزارہ) ہمارے استاذ تھے۔ ان سے مسلم اور ابو داؤد پڑھنے کا موقعہ ملا۔ نہایت درجہ محقق اور معقولات کے ماہر انسان تھے۔ شرافت اور انکساری انہیں بے حد تھی۔ اور بڑی خوبیوں کے انسان تھے۔ ہمارے چوتھے استاذ مولانا محمد عبدالقیوم تھے جو اب بھی وہاں مدرس ہیں۔ اخلاص وللّٰہیت کا نمونہ۔ علم سے گہری مناسبت، معتقدات دینی وسیاسی میں بے حد مستحکم اور اٹل، غیور اور جسور انسان ہیں۔ ان حضرات کی تدریسی اور تربیتی صحبتیں کندن بنانے کے کام آئیں۔ گو کہ اپنا ذاتی معاملہ "خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را" کا سا رہا۔ اور فیض کے اتنے چشموں سے قریبی تعلق رکھنے کے باوجود محرومی رہی۔ تاہم تحدیث نعمت کے طور پر اتنی بات ضرور ہے کہ ہر جگہ حضرات اساتذہ کرام کی محبت و شفقت اور ان کی خدمت کی سعادت نصیب ہوئی۔ اور ان کی دعائیں اب بھی میرا سرمایہ ہیں۔ جب کبھی کسی کی بھی خدمت میں حاضری کا موقعہ نصیب ہوتا ہے تو پہلے سے زیادہ رحم وکرم کی دولت میسّر آتی ہے۔ (رب العزت میرے ان اساتذہ و مشائخ کو صحت و عافیت سے ملّت کی سرپرستی و رہنمائی کیلئے زندہ رکھے)

(۲)

گذشتہ بیس سالوں کے دوران

دینی مشاغل اور تحریکی وجماعتی تعلق

۱۹۶۶ء میں فراغت ہوئی تو چند ماہ راولپنڈی مولانا عبدالحکیم کے ہی مدرسہ میں پڑھانے کا موقعہ ملا۔ اور پھر مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حکم و ایما سے حضرو ضلع اٹک جانا ہوا۔ مولانا ہزاروی ایک درویش منش، مخلص اور بہادر انسان تھے۔ امام العصر انور شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے خاص الخاص شاگرد۔ جید عالم، صاحب نظر مدرس، دیوبند میں سال بھر پڑھانے کے بعد اساتذہ کے ایما سے حیدر آباد دکن گئے۔ سبائیت اور بدعات کے خوفناک سیلاب کے خلاف بند باندھا۔

دارالعلوم کی تعلیم کے زمانے میں جمعیۃ طلبہ قائم کر کے سارے ملک میں انگریز راج کے خلاف جدوجہد کا آغاز کیا پھر حیدر آباد سے واپس آگئے۔ مقامی حالات دگرگوں تھے۔ فتنہ مرزائیت سر اٹھا رہا تھا اسے کچلا۔ اسلام و بدعات کے خلاف جنگ کی، مجلس احرار اسلام کے مخلص قائدین میں سے تھے۔ صبر آزما جدوجہد ان کی زندگی کا لازمہ رہی اور انہوں نے اس دور میں اگلے وقتوں کے اہل اخلاص و ایثار کے کردار کو زندہ کیا۔ عمر کے آخری مرحلہ میں بیگانوں سے زیادہ اپنوں کی شعوری اور غیر شعوری سازشوں کا شکار ہوئے لیکن جس کو حق سمجھا اس پر ڈٹے رہے۔

ہمیں ان سے بے حد تعلق تھا۔ والد صاحب انہیں چچا کہتے، روحانی تعلق خانقاہ سراجیہ کندیاں سے تھا۔ اس نسبت سے اور مجلس احرار کے حوالے سے چند در چند اسباب وجہ تعلق تھے۔ انہی کے حکم سے حضرو جانا ہوا

صوبہ پنجاب کا آخری ضلع اٹک ہے۔ اس کا ایک حصہ جو جی ٹی روڈ پر دائیں ہاتھ واقع ہے چھچھ کہلاتا ہے۔ ۴۸ گاؤں پر مشتمل اس خطہ کا صدر مقام "حضرو" ہے۔ زرعی علاقہ ہے اور بے حد زرخیز۔ اور اس سے زیادہ علمی اعتبار سے زرخیز۔ بڑی بڑی نامور ہستیاں اس خطہ سے اٹھیں۔ اسے پنجاب کا "بخارا" کہا جاتا ہے۔ حضرو شہر کے وسط میں بہت بڑا مندر ہے۔ اس سے متصل بعض حضرات نے ایک عظیم الشان مسجد بنوائی۔ حضرت لاہوری قدس سرہ نے اس کا سنگ بنیاد رکھا اور اب میں اس کا خطیب تھا۔

مسجد کی خطابت و تدریس کے ساتھ جمعیۃ علماء اسلام کی خدمت بلکہ اس علاقہ میں اس کے تعارف و تنظیم کے کٹھن مرحلہ سے مجھے دوچار ہونا پڑا۔ واقعہ یہ ہے کہ بزرگوں کا تعلق احرار سے تھا۔ لیکن ایک روایت کے مطابق شاہ جی علیہ الرحمہ نے احرار کی سیاسی حیثیت ختم کر کے ختم نبوت کے محاذ پر اپنی صلاحیتیں اور اپنے رفقاء کی صلاحیتیں کھپانے کا فیصلہ کیا تو اب میدان صاف تھا۔ جمعیۃ علماء اسلام موجود تھی لیکن اس کے کرتا دھرتا وہ بزرگ حضرات تھے جن کی عقیدتوں کا مرکز مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تھے۔ دیوبند کے مدنی اسکول کے سرخیل مولانا لاہوری نے سابقہ تلخیوں کو پاٹ کر مل جل کر کام کی راہیں نکالنا چاہیں لیکن "مصلحت و احتیاط" کے رسیا بزرگ جب "آمادۂ پیکار" نہ ہوئے تو ان حضرات کو الگ سے قافلہ ترتیب دینا پڑا جس کی سرپرستی امام لاہوری نے کی تو شبانہ روز محنت سے مولانا غلام غوث ہزاروی نے اسے پروان چڑھایا۔ جب مولانا ہزاروی جمعیۃ کی تنظیم میں منہمک تھے اور تن تنہا طوفان سے کھیل

رہے تھے تو مفتی محمود مرحوم ملتان کے مدرسہ قاسم العلوم کے مدرّس اور شیخ الحدیث تھے۔ مولانا ہزاروی نے انہیں اس چار دیواری سے نکالا۔ اور بہت سے حضرات اس میں ممد و معاون بنے۔ جن میں سے اکثر و بیشتر حضرات اب اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں، جن کی اغلباً ایک کڑی مولانا عبید اللہ انور تھے (رحمہم اللہ تعالیٰ) کم از کم اس قافلہ کا اب ایک فرد بھی باقی نہیں۔ غالباً اسی وجہ سے حالات کا موجودہ رخ سامنے آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ جانے والوں کو اپنی رحمتوں سے نواز کر اخلاف کو حقیقت پسندی کی توفیق دے۔

شعور کی آنکھیں کھلیں تو جمعیۃ کو دیکھا۔ مرحوم ایوب خان کا مارشل لاء ختم ہوا تو سرگودھا میں ہم زیرِ تعلیم تھے۔ یاد پڑتا ہے کہ تمام سیاسی جماعتوں میں سے سب سے پہلے سرگودھا میں عوامی اجتماع جو شاندار و فقید المثال تھا، جمعیۃ کا ہوا۔ اس میں ہمارا خونِ جگر شامل تھا۔ اس وقت سے لے کر ۱۹۷۸ء تک تعلیم، تدریس اور خطابت کے فرائض کے ساتھ میرے نزدیک سب سے بڑا فرض جمعیۃ کی خدمت تھی۔ طبیعت سازش و فریب کی عادی نہیں بقول کسے مزاجاً اور ذہناً بدو قسم کا احراری ہوں۔ کام کا عادی ہوں اس لئے جمعیۃ میں جو لگے تو علیٰ وجہ البصیرت اور جو کام کیا تو کشتیاں جلا کر۔ میرے تحت الشعور میں جمعیۃ کا پروگرام اور اس کے مقاصد اب بھی اسی طرح اُجلے ہیں جس طرح پہلے تھے۔ میری عقیدتوں اور محبتوں میں اس اعتبار سے کوئی کمی نہیں آئی لیکن جمعیۃ کے دائرہ کار میں شخصیت پرستی سے مردہ پرستی تک کے رجحان، روایتی سیاست بازی اور مخلص کارکنوں کی جگہ نہ ہونے جیسے عوامل نے جی کھٹا کیا، اے کاش کوئی "رجلِ حُر" اس قافلۂ حُریت و استقلال کو اب بھی سنبھالا دے تو مجھے یقین ہے کہ اکابر و اسلاف کے انفاسِ قدسیہ اور مخلص ورکروں کی محنتیں اب بھی کام آ سکتی ہیں۔ لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا۔

۱۹۷۷ء کا سال ملک کے لئے جیسا کیسا تھا وہ سب کو معلوم ہے۔ بھٹو صاحب اور ان کے بالمقابل قومی اتحاد، ہم بھی جمعیۃ کے خادم ورکر کی حیثیت سے قومی اتحاد کے پلیٹ فارم پر تھے اور بعض نازک مواقع پر اندرونی کہانیاں دیکھنے کا اتفاق ہوا اتحادی قائدین کا معاملہ قرآن کے الفاظ میں "تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَّقُلُوبُهُمْ شَتّٰى" کا تھا۔ عوامی جذبات نے ان معاملات کو دبائے رکھا تھا لیکن افسوس کہ بعد میں اصغر خان اور نورانی میاں نے رستے خون سے بے وفائی کی تو بعض دوسرے حضرات نے "فوجی جنتا" کے قدموں میں "جمہوریت" کی قربانی دے کر اپنے موقف کی خود لٹیا ڈبو دی۔ اس موقع پر احقر نے شدید احتجاجی رویہ اختیار کیا لیکن ملک کے لئے بنیادی حقوق کے طالب اپنے ورکر کی زبان و قلم سے یہ احتجاج برداشت نہ کر سکے، جس کے بعد محسوس کیا گیا کہ پروگرام بے شک صحیح، دستور بہت اچھا اور مقاصد بہت بلند ہیں لیکن میرِ کارواں خوشامدیوں کے نرغے میں

ہے۔ لہٰذا اب بادیدۂ پرنم چھٹی کرو۔

حضرو کے خوفناک جاگیردارانہ ماحول میں جس غیرت و خودداری کے ساتھ عواقب سے بے نیاز ہو کر کام کی توفیق نصیب ہوئی اور جمعیۃ کو ایک زندہ، فعال اور متحرک قوت کے طور پر اس گنہگار نے وہاں کے مخلص احباب کی معیت میں میدان میں لا کھڑا کیا اور ازلی ٹوڈیوں کی سطوت کو للکارا وہ میری زندگی کا سنہری کارنامہ ہے اور میں اسے اپنی نجات و بخشش کا ذریعہ سمجھتا ہوں (ربِ رحیم اپنے کرمِ بے پایاں سے قبول فرمالیں تو زہے سعادت)

۱۹۶۹ء اور ۱۹۷۰ء کے چند ماہ عارضی طور پر وہاں سے الگ ہو کر سلانوالی ضلع سرگودھا میں خدمات سرانجام دے کر پھر واپسی حضرو ہوئی اور ۱۹۷۰ء کی انتخابی مہم کو بڑے حوصلہ سے آگے بڑھانے اور وہاں کے اجارہ دار طبقوں کی اجارہ داریاں توڑنے اور انہیں للکارنے کی توفیق ہوئی تاہم بوجوہ ۱۹۷۲ء میں وہاں سے الگ ہو کر چند ماہ سرگودھا میں خدمتِ دین کی منازل قطع کرتا ۱۹۷۴ء کے اواخر میں حضرت الشیخ المخدوم مولانا عبید اللہ انور رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی خواہش پر ہفت روزہ خدام الدین کی ادارت سنبھال لی۔ اور لاہور قیام کر لیا، مولانا المحترم سے میرے تعلق کی داستان دس سال پر محیط ہے جس کی تفصیل ایک دفتر کی متقاضی ہے۔ مولانا کی جو تحریرات میری ناچیز خدمات کے سبب میرے پاس محفوظ ہیں وہ سامنے آجائیں تو بہت سے گوشے بے نقاب ہو جائیں اور بہت سے "اجارہ دارانِ عقیدت" کا بھانڈا پھوٹ جائے لیکن اس کی ضرورت نہیں، مختصراً اس کہانی کو ہفت روزہ خدام الدین کی قریبی اشاعت میں جو مولانا کے انتقال کے بعد، ان کی یاد میں نکلی، نئے ناخداؤں کی مسلسل فرمائش پر لکھ چکا ہوں۔ خدام الدین کے ساتھ قدیم ضلع لاہور (جس میں قصور شامل تھا) اور جدید لاہور میں جمعیۃ علماءِ اسلام کی کلیدی آسامیوں پر مجھے خدمات انجام دینا پڑیں لیکن میری شوخیٔ طبع ہمیشہ میرے لئے بلا بنی رہی اور میں حاسدین کے حسد کی نذر ہو کر رہ گیا۔ اصولوں پر ڈٹ جانا اور ان کے لئے ہر قربانی تو بحمد اللہ تعالیٰ میرے لئے آسان ہے۔ لیکن شخصیات کی پوجا میرے مسلک میں حرام ہے اور یہی میرا جرم ہے جو بار بار مجھے کرنا پڑتا ہے اور جس کے نتیجہ میں میں اب تک دسیوں مرتبہ مجرم و گردن زدنی قرار پا چکا ہوں اور اب تو چند سال سے بعض حضرات نے ہاتھ تک ملانے سے گریز کا رویہ اختیار کر رکھا ہے شاید کہ اس سے بعض قدآور شخصیات کی رضا کا انہیں خطرہ مول لینا پڑتا ہے۔ تاہم میرا ضمیر مطمئن ہے، اور میرے معتقدات اٹل!

میں واضح کرنا چاہتا ہوں اور ڈنکے کی چوٹ کہ:

- میں عبادت و بندگی کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو سمجھتا ہوں۔
- محمد عربی علیہ التحیۃ والتسلیم کی غیر مشروط اطاعت و تابعداری میرا جزوِ ایمان ہے۔
- صحابہ علیہم الرضوان کے ہر ہر فرد کو معیارِ حق و صداقت سمجھتا ہوں اور اس معاملہ میں کسی رواداری، مصلحت یا ایسی کسی بات کا قائل نہیں۔
- قرآن و سنّت ملّت کا اصل سرمایہ ہیں، انہی پر اس کی نجات کا انحصار ہے۔ تاہم اجماع و قیاس کو ملّت کے اہلِ نظر کی طرح "ادلہ اربعہ" میں سمجھ کر ان کی افادیت کا پوری طرح قائل ہوں۔
- گردشِ لیل و نہار کچھ ہو، لیکن ائمہ اربعہ کی تقلید علیٰ وجہ البصیرت اور دلائل کی روشنی میں ضروری خیال کرتا ہوں۔ تسلیم کرتا ہوں کہ ان کا سرمایہ علمی براہِ راست کتاب و سنّت سے ماخوذ ہے۔ آج کے "مجتہدانِ بے بصیرت" ان کے مقابلہ میں پرکاہ کی حیثیت نہیں رکھتے۔ بالخصوص امام الائمہ، سراج الائمہ محدث کبیر حضرت الامام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و احترام آئے دن میرے لئے بڑھ رہی ہے۔ ان کی فقہی اور قانونی کاوشیں ایسی ہیں کہ مدتوں کی شکر گذاری ان کا بدل نہیں ہو سکتی ماوراء النہر کے لوگوں کے لئے بقول حکیم امت امام ولی اللہ الدہلویؒ، ان کی تقلید ضروری خیال کرتا ہوں۔ تاہم مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرح "ضرورت کی حد تک" دوسرے حضرات کی فقہی کاوشوں سے استفادہ غلط نہیں سمجھتا۔ جیسے مولانا تھانوی نے عورتوں کے بعض مسائل میں "الحیلۃ الناجزۃ" کے عنوان سے مجتہدانہ رویہ اختیار کیا۔ ساتھ یہ واضح کرنا ضروری خیال کرتا ہوں کہ ہر دور کی اٹھتی گھٹاؤں اور طوفانوں کے مقابلہ کے لئے "اجتہاد" کی ضرورت مسلّم لیکن اس کا اہل ہر کس و ناکس کو نہیں سمجھتا بلکہ مخصوص رجال کار جو مسلّمہ شرائط پر پورے اترتے ہوں انہیں ہی اس کا مستحق گردانتا ہوں۔

(۳)

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے تعارف اور

تنظیم اسلامی میں شمولیت

واقف تھا لیکن یاد نہیں کہ اس کا کوئی پرچہ نظر سے گذرا ہو۔ لیکن میرے قیام حضرو کے زمانہ میں جب اس میں مخدوم گرامی پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب علیہ الرحمۃ والغفران کا وہ معرکۃ الآراء مقالہ چھپا جس میں انہوں نے حضرت شیخ الاسلام مدنی قدس سرہٗ سے متعلق اپنی گستاخیوں پر اظہار ندامت کیا تھا تو احقر نے لاہور ایک دوست کو عریضہ لکھ کر وہ پرچے منگوائے۔ چشتی صاحب مرحوم مسلم لیگ کے بہت اہم کارکن رہے۔ علامہ اقبال مرحوم سے ان کا گہرا لگاؤ تھا حتیٰ کہ وہ ان کے کلام کے شارح و مترجم تھے۔ انہی حوالوں سے انہوں نے مجاہد فی سبیل اللہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق بعض نازیبا کلمات کہے۔ چشتی صاحب کا مولانا احمد علی لاہوری سے رابطہ تھا۔ انجمن حمایت الاسلام لاہور کے اشاعت اسلام کالج کے پرنسپل چشتی صاحب تھے اور حضرت لاہوری اغلباً تعلیمی کمیٹی کے سربراہ چشتی صاحب نے احقر کی درخواست پر اس ضمن میں کچھ باتیں لکھی تھیں جو ہفت روزہ خدام الدین میں شائع ہوئیں۔ ابتداءً مولانا لاہوری نے ہی انہیں توجہ دلائی پھر حضرت لاہوری کے بہت عزیز خادم اور خلیفہ مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی نے اس سلسلۂ خیر کو جاری رکھا تا آنکہ چشتی صاحب کا شرح صدر ہوا اور انہوں نے وہ معرکۃ الآراء مضمون لکھا جس نے ایک خاص طبقہ کے ایوان میں کھلبلی مچادی۔ چشتی صاحب کا یہ مضمون ہفت روزہ خدام الدین کے مدنی نمبر میں چھپنا تھا لیکن افسوس کہ اس دور میں مدیر خدام الدین نے اس نمبر کے جملہ میٹر اور مواد کو ذاتی تصرف میں لے کر اس کو کھٹائی ہی میں نہیں ڈالا بلکہ اس کی اشاعت کا امکان ہی ختم کر دیا۔ لگ بھگ دو برس یہ مضمون وہاں پڑا رہا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے چھپوانے کا اہتمام کیا تو ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ذریعہ، جو مولانا مدنی کے سیاسی افکار سے اختلاف کے باوصف ان کے مجاہدانہ اور علمی کردار کے زبردست مداح ہیں۔ بعد میں یہ مضمون جمعیۃ علماءِ اسلام کے آرگن "ترجمانِ اسلام" کے قائم مقام "نوائے گوجرانوالہ" میں چھپا۔ "الرشید" ساہیوال کی ایک خصوصی اشاعت میں چھپا۔ میرے بعض دوستوں نے کتابی شکل میں میرے ہی توسط سے چھپوایا۔ یہ دوست صادق آباد سے متعلق تھے۔ اور اب حال ہی میں میرے عزیز دوست حافظ محمد یوسف عثمانی آف گوجرانوالہ نے اپنے مکتبہ مدنیہ گوجرانوالہ سے "الجمعیۃ" دہلی کے شیخ الاسلام نمبر کے جدید ایڈیشن میں اضافہ کر دیا ہے۔

"الجمعیۃ" دہلی سے نکلنے والا "جمعیۃ علماءِ ہند" کا آرگن ہے۔ اس کے سنڈے ایڈیشن کی خاص طور پر بڑی شہرت ہے۔ مولانا مدنی قدس اللہ سرہٗ العزیز کے سانحہ ارتحال پر اس کا ایک ضخیم نمبر "شیخ الاسلام نمبر" کے عنوان سے نکلا۔ اس کے علاوہ مولانا مفتی کفایت اللہ، مولانا

ابوالکلام آزاد اور مولانا حفظ الرحمن رحمہم اللہ جیسے حضرات پر عظیم الشان نمبر آئے ۔ حافظ یوسف عثمانی صاحب نے ۱۹۵۸ء کے اسی نمبر کا جدید ایڈیشن مخدوم گرامی مولانا سیّد اسعد مدنی صدر جمعیۃ علمائِ ہند کی اجازت سے یہاں سے شائع کیا ہے جس کا دوسرا ایڈیشن عنقریب آنے والا ہے ۔ اسی جدید ایڈیشن میں چشتی صاحب کے مضمون کا قابلِ قدر خلاصہ شامل کیا گیا ہے تاہم اوّلیت کا سہرا ڈاکٹر صاحب کے سر تھا ۔ اور مجھے حضرت مدنی سے بے پناہ عقیدت تھی اور ہے ۔ اس لئے میں نے اسے منگوایا اور پڑھا ۔ اس میں ڈاکٹر صاحب کا ایک صفحہ کا ابتدائیہ بہت خوب اور لائق مطالعہ تھا ۔ اس کے بعد گاہ بگاہ "میثاق" حاصل کرتا اور دیکھتا ۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

چشتی صاحب کے اس مضمون پر غلام احمد صاحب پرویز اور چشتی صاحب کے شاگرد مولانا عبدالستار نیازی نے بہت ہنگامہ کیا جس کا جواب لکھنے کی سعادت مجھے حاصل ہوئی ۔ جو ترجمانِ اسلام میں چھپا ۔ اس جواب کو پڑھ کر چشتی صاحب نے مجھے ایک عجیب وغریب خط لکھا جو میرے سرمایہ میں محفوظ ہے ۔ نہایت درجہ قیمتی خط اور بعض انکشافات کا حامل ۔ اس خط کے بعد چشتی صاحب سے خط وکتابت رہی حتیٰ کہ ۱۹۷۴ء میں لاہور آنے کے بعد مسلسل ملاقاتیں رہیں ۔ اغلباً میں واحد فرد تھا جس کی درخواست پر وہ کتابیں اور اپنی نوٹس بکیں عاریۃً دے دیتے ۔ میری ادارت میں خدام الدین کا ضخیم حضرت لاہوری نمبر چھپا تو اس کی تقریب رونمائی میں میری درخواست پر تشریف لاکر نہ صرف تقریر کی بلکہ بھری محفل میں یہ کہہ کر مجھے اعزاز بخشا کہ

"سعید الرحمن میں تمہاری وجہ سے آگیا ورنہ کہیں نہیں جاتا اور خاص طور پر ایسی مجالس میں کہ میری نہ کوئی سنتا ہے نہ سمجھتا ہے ۔"

ان کی معروف کتاب "تاریخ تصوف" جس کا اصل باب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے چھاپا وہ جب پاکستان کے ایک مخصوص فرقہ کے شور وغوغا کے سبب ضبط ہوگئی تو میں نے چند دوستوں کے ساتھ اس کے خلاف ہائی کورٹ لاہور میں رٹ دائر کی ۔ مقدمہ میں ہمارے وکیل محبِ گرامی ارشاد احمد قریشی تھے جنہوں نے کمال درجہ خلوص اور محنت سے مقدمہ لڑا اور جیتا ۔ میری ذاتی درخواست پر چشتی صاحب نے وکالت نامہ پر دستخط بھی کر دیئے اور فرمایا کہ :

"زندگی میں پہلی مرتبہ تمہاری وجہ سے یہ کام کیا ۔"

لاہور میں آکر ڈاکٹر صاحب کا میثاق تو دیکھتا رہا لیکن چند سال ملاقات کی نوبت نہ آئی ۔ ہاں کبھی کبھار

مسجد شہداء میں درس سننے کا موقع ملتا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تفہیم کی طاقت بخشی ہے۔ اس دوران مسجد شیرانوالہ میں حضرت مولانا عبید اللہ انور رحمہ اللہ تعالیٰ کی صدارت میں سیدنا الامام عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت و شہادت پر ان کی مبسوط و مفصل تقریر سنی جسکی مولانا انور نے اور بعد میں مطبوعہ شکل میں دیکھنے کے بعد چشتی صاحب نے بے حد تعریف کی اور واقعہ یہ ہے کہ وہ تقریر قابل تعریف تھی۔ دروس اور بعض دوسری تقریروں کے باوصف ابھی تک دل میں انشراح نہ تھا تا آنکہ چند سال قبل جب محرم الحرام کی سات تاریخ کو انہوں نے اپنے ایک لڑکے کی شادی کی اور ایک غلط و مکروہ روایت کے خلاف عملی جہاد کیا تو میرے دل میں ان کے لئے کچھ مزید انشراح کی کیفیت پیدا ہوئی۔

لاہور کے نام نہاد سنیوں نے شیعہ حضرات کے ساتھ مل کر ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ حتیٰ کہ مولانا نورانی جیسے حضرات نے لاہور کی بعض مساجد میں ان کے خلاف دھواں دھار تقریریں کیں اور حکومت پاکستان کو للکارا کہ ٹی وی پر ان کا مقبول سلسلہ "الھدیٰ" بند کیا جائے ورنہ ..... "الہدیٰ" کے ذریعہ جو اصلاح ہو رہی تھی اور جس کے سبب لوگوں کی توجہات قرآن کی طرف بڑھ رہی تھیں، ان کا مجھے ذاتی طور پر احساس و مشاہدہ تھا۔ لیکن اس رویہ نے مجھے سخت دل گرفتہ کیا اور "فقیہانِ شہر" کی اس بے راہ روی پر میں خون کے آنسو رو کر رہ گیا۔

یہ تسلیم کہ ڈاکٹر صاحب بعض حضرات کے بقول "مستند عالم" نہیں۔ نہ ہی انہیں ماہر لسانِ عربی ہونے کا دعویٰ ہے، نہ ہی میرے جیسے لوگ انہیں مجدد یا محدث و فقیہہ یا مفتی و شیخ طریقت مانتے ہیں لیکن "خدمتِ قرآن" کی ایک لگن تو ہے جس کا انکار مشکل ہے اور یہ کہ وہ اس شہر میں جس میں کبھی امام الاولیاء لاہوریؒ نے درس قرآن کی مشعل جلائی تھی، اس میں اسی کام میں مشغول ہیں۔ کلامی اور فقہی مسائل میں بھی وہ دخل نہیں دیتے۔ اور کوشش ان کی یہی ہوتی ہے کہ محض اصلاح کا فرض انجام دے کر ایک ایسی جماعت فراہم کی جائے جو پوری دلجمعی اور خلوص کے ساتھ منکرات کے خلاف جہاد کر سکے۔ خود مجھے بھی فقیہہ و مفتی ہونے کا اعزاز حاصل نہیں لیکن میرا خیال یہ ہے کہ ایک خادم دینِ حق اور قرآن کے طالب علم کے طور پر ان کی اصلاحی کوششوں میں ان کا ہاتھ بٹایا جائے اور منکرات کی گرم بازاری میں ان کی آواز کی تائید و تقویت کا سامان فراہم کیا جائے تو شرعاً، دیانتہً اور اخلاقاً اس میں حرج نہیں۔

لیکن ستم یہ ہے کہ "تعاون علی الخیر" کے بجائے رنگا رنگ کی باتیں کہہ کر حدود تک کو پھلانگا جاتا ہے ـــــ میرے جذبات میں اس صورت حال سے تلاطم تو تھا ہی کہ رمضان آ گیا۔ جس مسجد میں احقر خطیب و امام ہے، اس کا محل وقوع اچھرہ لاہور کے قریب ہے۔ جدید اور ماڈرن قسم کی کالونی ہے

نام ہے "شاہ جمال کالونی"۔ ہر سال رمضان میں اس مسجد میں تراویح میں قرآن سنانے کی سعادت بھی حاصل ہوتی ہے اور سالہا سال سے (میری آمد سے قبل ہی) آخری عشرہ میں بالعموم ہر روز اور کبھی طاق راتوں میں مختلف حضرات کی تقریروں کا اہتمام ہوتا ہے۔ جس سال (۱۹۸۲ء) "الہدیٰ" بند ہوا اس سال میرے مسجد کے احباب نے ڈاکٹر صاحب کو بھی ایک پروگرام میں بلانے کی خواہش ظاہر کی تو میں نے کہا کہ حرج نہیں۔ چنانچہ ۲۷ رمضان کو ڈاکٹر صاحب نے ایک بڑے اجتماع میں تقریر کی اور میری درخواست پر توحید و شرک کے موضوع پر بہت زوردار تقریر کی۔ ان کی تقریر سے قبل "الہدیٰ" کی بندش اور محرم میں شادی کے موضوع پر احقر نے مختصر تقریر کی اور اس بات کا اظہار کیا کہ اپنی کم ہمت آڑے آتی ہے لیکن جی چاہتا ہے کہ ان منکرات کے خلاف جد وجہد میں ڈاکٹر صاحب کا ہاتھ بٹایا جائے۔

اس کے بعد احقر کا ان سے رابطہ بڑھ گیا۔ چند مرتبہ وہ میرے یہاں تشریف لائے، میں کئی مرتبہ حاضر ہوا۔ مختلف مسائل پر گفتگو ہوئی، اسی اثنا میں ان کا معروف سلسلہ "محاضراتِ قرآنی" کا موقعہ آگیا۔ جس میں ایک مقالہ کے لئے انہوں نے مجھ سے بھی فرمائش کی۔ احقر نے قرآن کی محفوظیت" پر ایک مقالہ لکھا۔ اس میں شیعہ اسکول کے عقیدہ تحریف قرآن پر مدلل تنقید کی۔ پاکستان کے عوام اور خاص طور پر حکمرانوں کی دین کے معاملہ میں بے حسی کے سبب مقالہ سخت تھا لیکن سنا بھی گیا اور خطرات مول لے کر ڈاکٹر صاحب نے چھاپا بھی۔ اگلے سال پھر نہ صرف مجھ سے بلکہ مولانا عبید اللہ انور سے بھی میری درخواست پر مقالہ کی فرمائش ہوئی۔

جن حضرات کی قدر میرے دل میں بہت ہے ان میں سے حضرت مولانا شمس الحق افغانی اور حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری ڈاکٹر صاحب کے یہاں شریک محاضرات ہوتے رہے۔ مولانا عبید اللہ انور بھی ابتداء میں شریک رہے۔ مولانا سید حامد میاں تو برابر مقالہ ارسال کرتے کی شکل میں شریک ہی نہیں ہوتے بلکہ ان کے "حلقۂ مستشارین" میں شامل ہیں اور علمی سرپرستی فرماتے ہیں۔ اسی طرح میرے بہت ہی مخلص اور محترم کرم فرما مولانا محمد طاسین ناظم مجلس علمی کراچی اس حلقہ میں سرپرستانہ شریک ہیں اور اپنے مقالات سے مسلسل نوازتے ہیں۔ کبھی آبھی جاتے ہیں۔ کبھی مقالہ ارسال کر دیتے ہیں۔ مولانا محمد مالک کا بھی آنا جانا ہے گو انہیں پوری طرح اتفاق نہیں ہوتا لیکن علمی سرپرستی اور رہنمائی کو وہ تشریف لاتے ہیں اور اب چند سالوں سے میرے بہت ہی مخلص اور کرم فرما مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی مصنف محاسن موضح القرآن کا رابطہ علمی و سرپرستی ہے اور وہ بھی "حلقۂ مستشارین" کی بزم میں شریک ہیں۔

مولانا عبید اللہ انور نے نہ صرف دعوت قبول فرمائی بلکہ دہلی میں مولانا عبید اللہ سندھی کی خدمتِ قرآن

کے حوالہ سے مقالہ کی تیاری کرائی۔ جو عین وقت پر ان کی علالت کے سبب ڈاکٹر صاحب کے صاحبزادے برادرم حافظ عاکف سعید نے پڑھا اور احقر کا مقالہ "تحریک نظم جماعت" بھی کسی دوست نے پڑھا کہ میں عین وقت پر کسی ہجومی مصروفیت کے سبب حاضر نہ ہو سکا۔

سال گذشتہ محاضرات کا اہتمام میونسپل ہال میں ہی تھا۔ وہاں ایک دن کی نشست اس صدی کے چند بڑے مظلوم حضرات میں سے ایک یعنی امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد سے منسوب کی گئی جو ایک کارنامہ تھا اور اس میں خصوصی خطاب فرمایا، دورِ حاضر کے عبقری اور رشد دماغ مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے اس میں احقر کو بھی مولانا آزادؒ کی تحریک حزب اللہ پر مقالہ پڑھنا تھا لیکن بوجوہ وہ اگلے دن ہوا اور وہ بھی مقالہ کی شکل میں نہیں بلکہ زبانی اور اس طرح دو دن لاہور جیسے شہر کی فضا میں ابوالکلام کے علم و فضل کا ڈنکا بجا۔

ڈاکٹر صاحب کی بجا طور پر خواہش تھی اور ہر شخص اپنے قافلہ کے لئے ایسی خواہش رکھتا ہے۔ کہ اس کے ساتھیوں میں اضافہ ہو گو کہ میرا معاملہ ایسا ہے کہ

ع درحیرتم کہ دہقاں بچہ کار کشت مارا

لیکن بہت سے دوسرے حضرات سمیت ڈاکٹر صاحب بھی "خوش فہمی" کا شکار تھے اس لئے انہوں نے باقاعدہ اپنے ساتھ مل کر کام کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ میں چونکہ قلباً ذہناً اور ہر اعتبار سے دیوبندی تحریک کے اس حصہ کا خادم تھا اور ہوں جسے مولانا نانوتوی، شیخ الہند اور مولانا مدنی کی سرپرستی حاصل رہی۔ اس لئے سوچتا تھا کہ میرا عملی تعاون اور اقدام میری روایات کے خلاف تو نہ ہوگا۔

احقر ۱۹۶۲ء سے مسلسل بے جگری سے جمعیۃ علماء اسلام کا کام کر رہا تھا ۱۹۷۸ء میں اس میں تعطل پیدا ہوا اور چندے بعد دل پر پتھر رکھ کر اپنی محبوب جماعت اس کے مقاصد سے اتفاق رکھنے کے باوصف علیحدگی اختیار کر لی۔ اور اس علیحدگی کے اسباب ایسے ہیں کہ اب ان کا دہرانا بے سود ہے۔ جمعیۃ سے اس اختلاف کے باوجود "خدام الدین" کی خدمت جاری رہی لیکن ۱۹۸۴ء کی ابتدائی گھڑیاں "نئی نسل" کے مخصوص حالات کے سبب اس تعلق کے انقطاع کا بھی سبب بن گئیں تو میں نے گوشہ نشینی کی شکل اختیار کر لی۔ لیکن ڈاکٹر صاحب مسلسل دعوت دیتے رہے تاآں کہ چند ماہ قبل اپنی انجمن کے علمی پرچہ کے لئے انہوں نے قلمی تعاون کی فرمائش کی جسے میں نے قبول کر لیا اور ہر ماہ بعض اہم موضوعات پر لکھا جن میں سے بعض مضامین پر بعض اہل نظر نے

شب و روز چل رہے تھے کہ موجودہ رمضان سے قبل ڈاکٹر صاحب نے ایک نئی دعوت دی (پرانی اپنی جگہ پر قائم تھی) کہ انجمن کے دو سالہ تدریسی نصاب میں بطور مدرس شرکت کرلو۔ گو کہ مجھے اچھے اساتذہ کی سرپرستی حاصل رہی۔ لیکن روایتی نالائقی اور بعد میں تدریس سے وابستگی نہ ہونے کے سبب گھبرایا ضرور، لیکن بعد از رمضان اس بات کو قبول کرکے حدیث اور فقہ کے دو سبق میں نے اپنے ذمہ لے لئے جن کی تدریس کا فی الوقت تیسرا ہفتہ ہے، منتخب طلبہ کی ایک کلاس اور پرسکون ماحول میں یہ تجربہ میری زندگی کا خوش گوار تجربہ ہے اور مجھے یقین ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ تدریسی اور تعلیمی کوتاہی کی میں جلد ہی تلافی کرلوں گا۔ اپنے اساتذہ بالخصوص مولانا مفتی محمد شفیع سرگودھویؒ، مولانا محمد سرفراز خان صفدر، مولانا فیض احمد، مولانا محمد صدیق اور مولانا محمد عثمانؒ کی اس وقت کی دعائیں، سرپرستی اور شفقت اور ان کے انفاسِ طیبہ کی گرمی میرے شامل حال ہے اور الحمد للہ پوری خود اعتمادی کے ساتھ مسندِ تدریس پر بیٹھ کر اپنا فرض ادا کرتا ہوں (اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے اس راہ کی مشکلات آسان فرما کر علم و معرفت کے دروازے کھول دے)

تنظیم کے معاملہ میں ان کی دعوت مسلسل موجود تھی اور روز بروز اس میں شدت ہو رہی تھی۔ اپنی تحریرات انہوں نے مجھے دیں، اپنے ناقص علم و فہم کے مطابق انہیں بھی دیکھا۔ سوچ بچار بھی کی۔ رمضان المبارک اور بعد میں استخارے بھی کئے اور اس طرح امکانی حد تک اپنا فرض ادا کرکے اس میں شمولیت کا اعلان اور عملی تقاضا پورا کرلیا۔

میں آئندہ چل کر اس موضوع پر کھل کر لکھنے کا قصد رکھتا ہوں۔ لیکن اس موڑ پر اتنی بات عرض کرنا چاہوں گا کہ اس وقت ہمارے ملک میں متعدد تنظیمیں موجود ہیں۔ سیاسی، سماجی، دینی اور مختلف حوالوں سے ہر جماعت میں شمولیت اور اس کے نظم کے کچھ ضوابط ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے یہاں اس کا انداز و طریق بیعت کا ہے جس پر بحث برائے بحث کی حد تک تو بہت گفتگو ہو سکتی ہے لیکن بحث کو اگر سمیٹا جائے تو بات اتنی رہ جاتی ہے کہ فارم رکنیت کا پُر کرنا، حلف نامہ اور بیعت سب ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ بیعت کے پشت پر مسلّمہ تاریخی روایات ہیں۔ اس میں تقدس کا ایک پہلو ہے اور کارِ خیر کی غرض سے ایسی روایات کو اپنانا خیر کے راستوں کی کشادگی کا باعث بن سکتا ہے۔

رہ گیا معاملہ انتخاب و انقلاب کا تو پاکستان کی تاریخ میں چند اچھے برے جو انتخاب ہوئے ان کے نتائج سے صرفِ نظر ممکن نہیں اور یہ بات تسلیم کرنا پڑتی ہے کہ اس راہ سے معاشرہ میں خیر کا غلبہ، عدل و انصاف کا چلن، اخلاقی روایات کی عظمت و بلندی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی مخلوق کے حقوق کی حفاظت کا داعیہ پیدا ہونا ناممکن ہے۔

اس کے لئے عزیمت و استقامت کی راہیں اور اللہ تعالیٰ سے جان و مال کے سودے کی تڑپ ہی مؤثر ذریعہ ہو سکتی ہے۔ تاریخ میں ایسی کوششیں اہلِ نظر نے کیں (جن کا ذکر آئے گا) تسلیم کہ یہ راستہ کٹھن اور مشکل ہے لیکن اگر کچھ لوگ پورے شرحِ صدر کے ساتھ اس راہ پہ چلنے کا عزم کرتے ہیں تو دبی زبان سے ان پر بغاوت و فساد کی پھبتی کسنا انصاف اور شیوۂ اہلِ نظر نہیں؟ ملکی دستور و آئین میں ہر شخص ایک نظم بنانے اور اس کے ذریعہ ملکی معاملات میں تبدیلی کا مجاز ہے۔ اب اگر کوئی شخص اس تبدیلی کے لئے مروجہ راہوں سے ہٹ کر ایک ایسی راہ اختیار کرتا ہے جس کے لئے بہرحال تاریخی نظائر موجود ہیں تو اس کو پھبتی کے انداز میں یاد کرنا مناسب نہیں۔ ہاں اس کے افکار و انداز میں شرع و قانون کی رو سے جھول یا غلطی ہے تو اسے سمجھانا مناسب ہے۔

میں نے دیانت داری کے ساتھ جو محسوس کیا اس کے بعد اس راہ پہ قدم بڑھایا۔ گو کہ میرا اصل دائرہ عمل تدریس و تحریر ہے (میثاق کی مجلسِ ادارت میں شمولیت اسی سلسلہ کی کڑی ہے) اور غالباً ایسا اس لئے ہوا کہ ڈاکٹر صاحب نے میری کوتاہ ہمتی اور جسمانی ضعف و اضمحلال کا لحاظ کرتے ہوئے مجھے آسان ذمہ داری سونپی۔

تدریس کا کام میں نے چند ماہ مولانا عبدالحکیم کے مدرسہ فرقانیہ پنڈی میں کیا۔ پھر لاہور جب آیا تو مولانا عبیداللہ انور کی زیرِ نگرانی شیرانوالہ کے مدرسہ قاسم العلوم میں دو سال یہ خدمت بھی انجام دی۔ بعد میں یہ مدرسہ بند کر دیا گیا تو میں نے لاہور کے چند مدارس سے درخواست کی لیکن شاید میرے گناہ ایسے تھے کہ کسی نے اپنے پاکیزہ ماحول میں میرا دخل اندر ہونا پسند نہ کیا۔ ہاں دو سال سے محبِ گرامی قاری محمد عبدالقیوم صاحب کے مدرسہ جامعہ صدیقیہ گلشنِ راوی سکیم ملتان روڈ سے تدریسی رابطہ ہے جس کی اب بھی ایک شکل بحمداللہ موجود ہے کہ اس مدرسہ سے مجھے قلبی لگاؤ ہے۔

رہ گیا تحریر کا معاملہ تو بچپن سے اوٹ پٹانگ لکھنا شروع کیا۔ روزنامہ "جنگ" راولپنڈی سے لے کر "الحق" اکوڑہ خٹک، "شمس الاسلام" بھیرہ، ماہی "منہاج" لاہور، سہ ماہی "المعارف" لاہور، ہفت روزہ "حرمت" راولپنڈی، ہفت روزہ "ترجمانِ اسلام" لاہور، ہفت روزہ "لولاک" فیصل آباد، روزنامہ "مشرق" "امروز"

اور چٹان لاہور تک میں مختلف حوالوں سے لکھا اور بہت ، اور جو میرا لکھا ہوا دوسروں کے نام سے چھپا اس کی داستان طویل بھی ہے اور غیر ضروری بھی۔

لکھنے میں علمی ، فکری اور سیاسی سبھی عنوانات پر لکھا ۔ بعض کتابوں کے تراجم ہوئے جو چھپ کر مقبولیت حاصل کر چکے ہیں۔ بعض کا ترجمہ ہو رہا ہے ۔ بعض مستقل تالیفات زیر تجویز و تحریر ہیں ۔ اور سب سے بڑھ کر خدام الدین کی دس سالہ خدمات اور مولانا انور کی سرپرستی نے بہت کچھ سکھا دیا ۔ اللہ کے کرم ، اساتذہ ، والدین ، بزرگوں اور مخلصین کی دعاؤں سے توقع ہے کہ وہ میری بے کسی کی لاج رکھ کر معاملہ فہمی ، جرأت و بے خوفی اور دیانت سے میثاق و حکمتِ قرآن کی خدمت کی توفیق بخشے گا (سب حضرات سے محتاجِ دعا ہوں)

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ایک بات کی وضاحت ضروری ہے ، گز بھر لمبی زبانیں تو ہر کسی کے خلاف کھلتی ہیں ، اس کا تو مجھے ڈر ہے نہ خوف ، بلکہ بے پر کی اڑانے والوں کا ممنون ہوں کہ ان کے سبب میرے گناہوں کی معافی کی شکل بنے گی ۔ لیکن سب نوٹ کر لیں کہ اگر کبھی " علوی " نے محسوس کیا کہ ڈاکٹر صاحب اس کی جائز آزادی سلب کرنا چاہتے ہیں یا بنیادی عقائد و افکار میں ان کی راہیں الگ ہو رہی ہیں تو افہام و تفہیم کے ذریعے سے حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کروں گا ۔ نہیں تو

ما بخیر شما بسلامت !

یہ بات میں نے تنظیم اسلامی ، لاہور کے ایک اجتماع میں ڈاکٹر صاحب کی موجودگی میں کہہ دی اور پوری ذمہ داری کے ساتھ ۔ کیونکہ میں آنکھیں کھلی رکھ کر چلنے کا عادی ہوں ۔ اور اسی کی اللہ تعالیٰ سے توفیق چاہتا ہوں ۔ میرے مسلک و مشرب میں غیر مشروط اطاعت صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم ؐ کی ہے ۔ باقی معاملہ اطاعت فی المعروف اور تعاون علی الخیر کا ہے اور بس ۔

اس سے الگ کچھ ہوا تو سب دیکھ لیں گے کہ جس نے بعض قدآور حضرات سے سالوں کے تعلقات آنِ واحد میں منقطع کر لئے وہ یہاں بھی دیر نہیں کرے گا ـــــ مجھے خوشی ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اس بات کو سراہا اور برا نہ منایا ۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

کوئی شخص جو کسی بڑے مقصد کے لئے کوئی قافلہ لے کر نکلا ہو ۔ اسے برا منانا

بھی نہ چاہیئے اور کسی وقت بھی "خود اعتمادی" میں اس حد تک آگے نہ جانا چاہیئے کہ "عقلِ کل" سمجھ کر دوسروں کو "بونا" قرار دینے لگے۔ جب بھی کسی "رہنما" نے ایسا رویہ اختیار کیا تو اس کی بنائی ہوئی عمارت دھڑام سے گر کر رہ گئی۔ جس کی ان گنت مثالیں اگلے حصّہ میں آئیں گی۔ حقیقت کے اظہار میں بخل سے کام نہ لینا چاہیئے۔ ابھی تک تو ڈاکٹر صاحب میں سننے، مشورہ کرنے اور اس پر غور کرنے بلکہ بوقتِ ضرورت "رجوع" کرنے کی عادت ہے۔ (کل کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے) اللہ کرے کہ معاملہ اسی طرح رہے۔ ایسا رہا تو یقیناً خیر و برکت ہو گی۔ ورنہ ایک نیا المیہ رونما ہو گا۔ جس سے اہلِ دین کو ایک نئے صدمے سے دوچار ہونا پڑے گا۔

اللہ رب العزت اپنے کرم بے پایاں سے معتقدات دینی پر ثابت قدمی کی توفیق سے نوازیں۔ اعمالِ خیر کی بہتر سے بہتر توفیق نصیب ہو۔ اسلاف کا ورثہ فکری و علمی ہماری نگاہوں کے سامنے رہے، اس کی قدر اور اس سے استفادہ کی توفیق نصیب ہو اور ہر قسم کے زیغ و ضلال سے بچائے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَ
هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ

رفقاءِ تنظیمِ اسلامی بیرونِ پاکستان

نوٹ فرمالیں کہ محترم امیر تنظیم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے بیرونِ پاکستان رابطے کی ذمّہ داری دوبارہ قاضی عبدالقادر صاحب کو سونپ دی ہے جو بحیثیت "معاونِ خصوصی امیر تنظیم اسلامی برائے رابطہ بیرونِ پاکستان" کام کریں گے۔ جملہ رفقاء اُن کا پتہ وغیرہ ازسرِ نو نوٹ فرمالیں:

قاضی عبدالقادر، ۷۷ ۵ - اے، بلاک 'جے' نارتھ ناظم آباد

کراچی - ۳۸ (فون دفتر: ۶۲۹۸۶۸ - گھر: ۶۱۳۳۷۷)

الہدیٰ

نشست ۲۷

اثباتِ آخرت

سورہ قیامہ کی روشنی میں

(درسِ ہشتم)

ڈاکٹر اسرار احمد

کے ٹیلیویژن کے دروس کا سلسلہ

(۱)

السلام علیکم۔ نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد
فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۝ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝
لَآ اُقۡسِمُ بِیَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ ۙ وَلَآ اُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَۃِ ؕ
اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَلَّنۡ نَّجۡمَعَ عِظَامَہٗ ؕ بَلٰی قٰدِرِیۡنَ
عَلٰۤی اَنۡ نُّسَوِّیَ بَنَانَہٗ ۝ (سورۃ القیامہ آیت ۱تا۴)

صدق اللہ العظیم ۝

"نہیں! قسم کھاتا ہوں میں قیامت کے دن کی، اور نہیں! قسم کھاتا ہوں میں اُس ضمیر کی جو انسان کو اسکی بدی پر ملامت کرتا ہے۔ کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ ہم اسکی ہڈیوں کو جمع نہ کر سکیں گے! کیوں نہیں! ہم قادر ہیں اس پر کہ اسکی ایک ایک پور کو درست کر دیں۔"

محترم حاضرین ومعزز ناظرین!

مطالعۂ قرآن حکیم کے جس منتخب نصاب کا درس ان مجالس میں سلسلہ وار ہو رہا ہے اس کا درس نمبر ۸ سورہ قیامہ مکمل پر مشتمل ہے۔ جس کی ابتدائی چار آیات کی تلاوت آپ نے ابھی سماعت فرمائی اور ان کا ترجمہ بھی سنا۔ یہ سورہ مبارکہ جو دو رکوعوں اور چالیس آیات پر مشتمل ہے۔ قرآن حکیم کے انتیسویں پارے کے آخر میں درج ہے۔ سورہ تغابن پر اُن چار دروس کی تکمیل ہو چکی ہے جن میں ایمانیات ثلاثہ کا بیان جامعیت کے ساتھ آیا ہے۔ یعنی ایمان باللہ۔ ایمان بالمعاد یا ایمان بالآخرہ اور ایمان بالرّسالت ـــــ لیکن چونکہ ہمارے دین کے اعتقادی نظام میں یا یوں کہیے کہ اسلام کی فکری اور نظریاتی اساسات میں قیامت اور آخرت پر ایمان کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ لہٰذا مناسب سمجھا گیا کہ ایک مکمل سورتِ مبارکہ کا درس خاص اسی موضوع پر اس منتخب نصاب میں شامل کیا جائے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قیامت اور آخرت کے ضمن میں قرآن حکیم کی نسبتاً چھوٹی سورتوں میں جامع ترین سورت سورۃ القیامہ ہے۔

اس سے قبل کہ ہم اس سورۂ مبارکہ کے مضامین اور مفاہیم ومطالب پر غور کریں، ایمان بالآخرت کے ضمن میں بعض تمہیدی باتیں نوٹ کر لینی چاہئیں۔

قیامت اور آخرت پر ایمان کا معاملہ کتنی اہمیت کا حامل ہے، اسکا اندازہ قرآن مجید کے ہر پڑھنے والے کو بہ آسانی ہو جاتا ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ قرآن حکیم کا شاید ہی کوئی ایسا صفحہ ہو جس میں آخرت کا ذکر نہ ہو اور شاید ہی کوئی صفحہ ایسا ہو کہ جس میں جزا وسزا، بعث بعد الموت، حساب کتاب، جنت دوزخ میں سے کسی کا ذکر نہ ہو۔ ان مقامات کا بھی اگر ہم دوبارہ سرسری جائزہ لے لیں جنکا ان دروس کے سلسلے کی مجالس میں ہم مطالعہ کر چکے ہیں تو آپ دیکھیں گے کہ ہر ایک میں آخرت کا ذکر موجود ہے ـــ ہمارا درس نمبر ایک سورۃ العصر پر مشتمل تھا، اس میں تو ایک جامع اصطلاح کے طور پر ایک لفظ آیا تھا: اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ـــ اس کی کوئی تفصیل نہیں تھی ـــ لیکن دوسرے ہی درس میں جو آیتِ بِرّ پر مشتمل ہے، ہم نے دیکھا کہ ایمان باللہ کے فوراً بعد یوم الآخر پر ایمان کا ذکر ہے:

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ اس کے بعد ذکر ہوتا ہے۔ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۔ ہمارا تیسرا سبق جو سورہ لقمان کے دوسرے رکوع پر مشتمل تھا، اس میں ایک تو قانون مجازات و مکافات کا ذکر ہے جو بڑے جامع الفاظ میں حضرت لقمان کی وصیت میں آیا ہے: يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ "اے میرے بچے! اس حقیقت کو ذہن نشین کرلے کہ انسان کے عمل کو خواہ وہ نیکی ہو یا بدی۔ پھر خواہ وہ رائی کے دانے کے ہم وزن ہو، پھر خواہ وہ کسی غار اور چٹان کے اندر چھپ کر کیا جائے خواہ فضاؤں، خلاؤں میں جاکر یا زمین کی گہرائیوں میں اتر کر کیا جائے، اللہ اس کو لے آئے گا" اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۝ "اللہ بہت باریک بین ہے، باخبر ہے"۔ اس کے علاوہ خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس رکوع میں ایک جگہ یہ الفاظ آئے: اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۔ "میری ہی طرف لوٹنا ہے"۔ اور دوسری جگہ یہ الفاظ: ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ "پھر میری ہی طرف تم سب کو آنا ہے، پھر میں تم سب کو جتلا دوں گا وہ سب کچھ جو تم کرتے رہے ہو"۔ چوتھا درس سورۃ الفاتحہ پر مشتمل تھا۔ اس میں تو ایک عظیم آیت مبارکہ اسی حقیقت کبریٰ کے اظہار کے لئے وارد ہوئی: مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۔ "وہ اللہ جزا و سزا کے دن کا مالک ہے"۔ پانچواں سبق سورہ آل عمران کی ۱۹۰ تا ۱۹۵ آیات پر مشتمل تھا۔ اس میں آپ نے دیکھا کہ کس شد و مد کے ساتھ آخرت کا ذکر آیا: رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ "اے ہمارے رب! یہ سلسلۂ کون و مکان تو نے فضول اور بیکار پیدا نہیں کیا ہے۔ تو پاک ہے منزہ ہے اس سے کہ کوئی بے مقصد اور عبث کام کرے۔ پس اے ہمارے پروردگار! ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لیجیو۔ تو نے جس کو دوزخ میں ڈالا اُسے درحقیقت بڑی ذلت و رسوائی میں ڈالا۔

اور پھر ایسے ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہ ہوگا؟" - آگے چل کر الفاظ آئے وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ - پھر آگے چل کر اللہ تعالیٰ نے اپنے فرماں بردار بندوں سے بایں الفاظ وعدے فرماتے: لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ج "میں لازماً اپنے نکوکار بندوں کی برائیاں اُن سے دور کردوں گا اور میں لازماً ان کو اُن باغات میں داخل کروں گا جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہیں" - تو آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس میں کتنا زور ہے، کتنا EMPHASIS ہے قیامت و آخرت کے بیان اور ایمان پر - اس کے بعد ہم نے سورہ نور کے پانچویں رکوع میں پھر دیکھا: يُخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ه "- اللہ کے نیک اور محبوب بندے لرزاں و ترساں رہتے ہیں، ڈرتے رہتے ہیں اُس دن کے خیال سے جس دن دل اور نگاہیں دونوں الٹ جائیں گے" - سورہ تغابن کو جو ہمارا پچھلا درس تھا اس میں تو بلاشک و شبہ یہ مضمون اپنے نقطۂ عروج (CLIMAX) کو پہنچ گیا - اسکی تیسری آیت ختم ہوتی ہے ان الفاظ مبارکہ پر: وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ه "اور اسی اللہ کی طرف لوٹ جانا ہے - آگے ساتویں آیت میں پہلے تو منکرین قیامت کا یہ اعتراض یا مغالطہ نقل کیا گیا: زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ط "ان منکرین کو یہ مغالطہ لاحق ہو گیا ہے کہ انہیں اٹھایا نہ جائے گا!" پھر نبی اکرم ﷺ سے کہلوایا گیا: قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ط وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ "اے نبی کہہ دیجئے کیوں نہیں! مجھے میرے پروردگار کی قسم ہے تم لازماً اٹھائے جاؤ گے اور پھر تم لازماً جتلا دیئے جاؤ گے جو کچھ تم کرتے رہے تھے - اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے" - پھر آگے چل کر اسی سورہ مبارکہ میں فرمایا: يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ط "جان لو کہ وہ دن جس دن کہ وہ تمہیں جمع کرے گا جمع ہونے کے دن - وہ ہے اصل ہار جیت کے فیصلے کا دن" - اس روز جو کامیاب قرار دیا گیا وہ کامیاب ہوا - اس

کامیابی کا ذکر اسی آیت کے آخر میں بایں الفاظ مبارکہ فرمایا گیا : وَ
یُدۡخِلۡهُ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ
الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ۝ — اور جو ناکام قرار پائے گا جو ناکام و خاسر رہے گا وہ
کس انجام بد سے دوچار ہوگا اس کا بیان اگلی آیت میں بیان کر دیا گیا :
وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَکَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا ؕ
وَبِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ ۝

یہ میں نے ایک جائزہ آپ کے سامنے پیش کیا ہے کہ جو مقامات اب
تک ہم نے پڑھے ہیں، ان میں کس قدر شدّ و مدّ کے ساتھ بعث بعد الموت،
قیامت اور آخرت کا ذکر آچکا ہے - ایک نکتہ، ایک POINT اور بھی
نوٹ کر لیں کہ قرآن مجید میں متعدّد مقامات پر ایک تقابل سامنے آتا ہے کہ
جہاں دوسرے ایمانیات کے لئے لفظ ایمان آیا ہے وہاں آخرت کے لئے عموماً
لفظ یقین کا استعمال ہوا ہے - جیسے سورہ بقرہ کے آغاز ہی میں فرمایا گیا :
وَالَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ ۚ وَبِالۡاٰخِرَةِ
هُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ ۝ معلوم ہوا کہ ایمان بالآخرہ پر اس درجہ کی شدّت مطلوب ہے
جس کو لفظ یقین میں ہم دیکھتے ہیں - آخرت پر ان کا یقین ہے -

یہ بات اس سے پہلے بھی عرض کی جا چکی ہے کہ اصولی اور نظری اور
علمی اعتبار سے ایمان اصل میں نام ہے ایمان باللہ کا — یہی وجہ ہے کہ ہم
دیکھتے ہیں کہ ایمانِ مجمل میں صرف ایمان باللہ کا ذکر ہے : اٰمنت باللّٰہ
کما ھو باسمآئہٖ وصفاتہٖ وقبلت جمیع احکامہٖ - اقرارٌ
باللسان و تصدیقٌ بالقلب — واقعہ یہ ہے کہ ایمان بالآخرت اور ایمان
بالرّسالت دونوں ایمان باللہ کی فروع ہیں، اسکی شاخیں ہیں اس کی
(COROLLARIES) ہیں - ایمان بالآخرت اللہ تعالیٰ کی صفتِ عدل کا مظہر
ہے - ایمان بالرّسالت اللہ تعالیٰ کی صفتِ ہدایت کا مظہر ہے لیکن اگر
عملی اور اخلاقی اعتبار سے غور کیا جائے تو سب سے مؤثر ایمان، ایمان بالآخرۃ ہے -
اگر آخرت کا یقین ہوگا، مرنے کے بعد محاسبہ کے لئے جی اٹھنے کا یقین ہوگا۔

جزا و سزا کا یقین ہوگا۔ جنت و دوزخ کا یقین ہوگا تو انسان کے رویہ میں عملاً تبدیلی آئے گی۔ اور اگر اس میں کوئی کمی ہوئی تو ایمان باللہ بھی ذات وصفات کی ایک علمی بحث بن کر رہ جائے گا۔ ضمناً یہ بھی جان لیجئے کہ قانونی، فقہی اور شرعی اعتبار سے اہم ترین ایمان، ایمان بالرسالت ہے۔ ایمان باللہ اُسی وقت معتبر ہوگا جب کہ اللہ تعالیٰ کو اُن اسماء و صفات کے ساتھ مانا جائے جن کی خبر ہمیں دی ہے محمد رسول اللہ نے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ایمان بالآخرت بھی معتبر ہوگا جبکہ بعث بعد الموت، حشر و نشر، حساب کتاب، جزا و سزا اور جنت و دوزخ کی ان تفاصیل کو مانا جائے جن کی خبر دی ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

یہ بھی جان لیجئے کہ انکارِ قیامت یا انکارِ آخرت کی متعدد شکلیں ہیں۔ مثلاً ایک تو صاف اور صریح انکار ہے کہ مرنے کے بعد کوئی جی اٹھنا نہیں ہے، کوئی آخرت نہیں ہے۔ اس کو آپ الحاد کہیں گے۔ اور یہ نہ سمجھئے کہ یہ خاص اسی دور کا امتیاز ہے۔ اس خیال کے لوگ اُس وقت بھی موجود تھے جب قرآن مجید نازل ہو رہا تھا۔ اُن کا قول قرآن مجید میں نقل ہوا ہے: وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا۔ "اور لوگ کہتے ہیں کہ نہیں ہے کوئی زندگی سوائے ہماری اس دنیا کی زندگی کے، ہم خود ہی مرتے ہیں، خود ہی جیتے ہیں۔" وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ۔ "اور ہمیں ہلاک کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے سوائے گردشِ افلاک کے۔" یہ وہ دہریت ہے جس کا پورا خلاصہ اس ایک آیت کے اندر قرآن مجید میں نقل کر دیا گیا۔ تو یہاں آخرت کا صریح و واضح انکار ہے۔ ایک دوسرا درجہ ہے کہ نہ اقرار ہے نہ انکار ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ نتیجہ پھر انکار ہی کا ہے۔ قرآن مجید میں یہ بھی چند لوگوں کے قول کے بطور نقل ہوا ہے وَاِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ۝ "آخرت کا کچھ گمان سا تو ہوتا ہے کہ شاید ہو لیکن اس پر ہمارا دل نہیں ٹھکتا۔ یقین پیدا نہیں ہوتا۔" جب یہ صورت ہوگی تو ظاہر بات ہے کہ انسان کا طرزِ عمل تو اُن ہی لوگوں کے مشابہ ہوگا جو آخرت کو مانتے نہیں

تو یہ نہ انکار اور نہ اقرار کی صورت نتیجۃً انکار ہے ۔ اور سب سے خطرناک صورت تیسری ہے کہ بظاہر اقرار ہے پورے طور پر ۔ لیکن اسکے ساتھ کچھ ایسی باتیں مانی گئی ہیں کہ جن کے نتیجہ میں وہ اقرار، وہ ایمان بالآخرہ بالکل غیر مؤثر ہو جاتا ہے ۔ اس کا انسان کے عمل پر، اس کے اخلاقی رویہ پر کوئی اثر مترتب نہیں ہوتا ۔

اس تیسری صورت کی بھی تین ہی شکلیں ممکن ہیں ۔ سب سے پہلے شفاعتِ باطلہ کا تصور ہے کہ آخرت ہوگی تو سہی، لیکن ہماری دیویاں ہیں، ہمارے دیوتا ہیں، کچھ بزرگ اور مقربین بارگاہ الٰہی ہستیاں ہیں، وہ ہمیں وہاں چھڑا لیں گی ۔ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۔ "یہ اللہ کے یہاں ہمارے سفارشی بنیں گے" اور یہ اللہ کے بڑے لاڈلے ہیں، بڑے چہیتے ہیں، ان کا کہنا اللہ نہیں ٹال سکتا ۔ معلوم ہوا کہ اس شکل میں بھی آخرت کا ماننا نہ ماننا برابر ہو گیا ۔ قرآن مجید میں ایک شکل یہ بھی بیان ہوئی ہے کہ کچھ مرفہ الحال لوگ، دولت مند لوگ، خوش حال لوگ، آسودہ حال لوگ، اپنی دولت مندی، آسودہ حالی کو دلیل بناتے تھے کہ ہم تو اللہ کے چہیتے ہیں ہم پر تو یہاں اس دنیا میں بھی اللہ کا فضل ہو رہا ہے ۔ اس نے ہمیں یہاں دولت دی ہے، عزت دی ہے لہٰذا ہم وہاں بھی عزت پائیں گے قطع نظر اس سے کہ ہمارے اعمال کیا ہیں ! سورہ کہف میں دو افراد کے مکالمہ کے ضمن میں بیان ہوا : وَلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۔ اوّل تو پتہ نہیں کہ اللہ کی طرف لوٹنا ہے یا نہیں ہے لیکن اگر بالفرض لوٹنا ہو بھی گیا تو میرے پروردگار نے جو کچھ مجھے یہاں دیا ہے وہاں مجھے اس سے بھی بہتر دے گا" ۔ اور آخری شکل جو سب سے زیادہ لطیف لیکن اتنی ہی زیادہ خطرناک بھی ہے ۔ وہ یہ کہ شیطان انسان کو دھوکہ دیتا ہے اللہ تعالیٰ کی شانِ رحیمی اور شانِ غفاری کے حوالے سے کہ وہ بڑا بخشنہار ہے، وہ بڑا نکتہ نواز ہے، وہ رحیم ہے، وہ کریم ہے، وہ غفور ہے ۔ لہٰذا وہ ہمیں معاف کر ہی دیگا ۔ آخری پارے میں ایک پوری سورۃ ہے

جس کا مرکزی خیال یہی ہے : یٰٓاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ
"اے انسان! تجھے کس چیز نے اپنے رب کریم کے بارے میں دھوکے میں ڈال دیا ہے!" — وہ جہاں غفور ہے اور رحیم ہے، وہ وہاں عادل بھی ہے، وہ وہاں سزا دینے والا بھی ہے، وہ ذوالانتقام بھی ہے - شدید الانتقام بھی ہے وہ نافرمانیوں پر بدلہ لینے والا بھی ہے سخت بدلہ -

تو یہ مختلف شکلیں ہیں - میں نے ان کا اختصار کے ساتھ تجزیہ اس لئے آپ کے سامنے رکھ دیا کہ ہم اپنے ذہنوں کا بھی جائزہ لیں مبادا ہمارے قلوب و اذہان میں بھی اس قسم کے کسی وسوسے اور موہوم خیال کا عکس موجود ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ بظاہر ہم مطمئن ہوں کہ ہم تو آخرت کے ماننے والے ہیں لیکن غیر محسوس طور پر ہمارے تحت الشعور میں یہ مغالطے موجود ہوں جن کا ابھی میں نے ذکر کیا - اور حقیقی ایمان بالآخرت کے جو اثرات ہماری سیرت پر، ہمارے کردار پر، ہماری روش پر، ہمارے رویّہ پر، ہمارے اعمال اور معاملات پر اس سبب سے ظاہر نہ ہو رہے ہوں کہ ہم نے اس ایمان کے ساتھ کوئی ایسی چیز بھی مانی ہوتی ہے جس نے اس ایمان بالآخرت کو غیر مؤثر کر کے رکھ دیا ہو -

یہ تمام باتیں جو آج عرض کی گئی ہیں، تمہیدی نوعیت کی ہیں - سورۃ القیامہ کا مطالعہ ان شاء اللہ تعالیٰ ہم اگلی نشست سے شروع کریں گے - اگلی نشست میں ہم اس پوری سورہ مبارکہ کی تلاوت کریں گے اور اس کا ایک رواں ترجمہ دیکھیں گے - اس کے بعد اس کے اہم نکات پر اللہ نے چاہا تو محدود وقت کے پیش نظر ممکنہ حد تک تفصیلاً گفتگو ہو گی - فی الوقت آج جو کچھ عرض کیا گیا ہے، اس کے ضمن میں کوئی سوال یا اشکال ہو تو میں حاضر ہوں -

سوال و جواب

سوال : ڈاکٹر صاحب! آخرت میں جزا و سزا کا جو تصوّر قرآن دیتا ہے کیا اس کا مقصود یہ ہے کہ اس دنیا میں ہماری معاشرتی اور اجتماعی زندگی

بہتر سے بہتر ہو؟

جواب : آپ کا سوال اس لحاظ سے تو درست ہے کہ آخرت کے عقیدے اور آخرت پر ایمان رکھنے کا اثر دنیا میں ہمارے رویّے پر مترتب ہونا چاہیئے۔ ابھی تو میں نے عرض کیا ہے کہ انسان کی سیرت پر، اس کے کردار پر، اس کے اخلاق پر اور اس کے اعمال و معاملات پر سب سے زیادہ اثر ایمانیاتِ ثلاثہ میں سے ایمان بالآخرت ہی کا پڑتا ہے۔ لیکن اس کا مقصود صرف دنیا ہی میں ہماری اجتماعی زندگی کی بہبود نہیں ہے بلکہ محاسبہ اُخروی میں سرخرو ہونا اور کامیاب ہونا بھی ہے جو ہماری دینوی زندگی کے رویّہ ہی سے متعلق، مربوط اور منسلک ہے۔ ایک ضروری بات کی طرف توجہ دلانی ضروری ہے وہ یہ کہ آپ نے اپنے سوال میں ایک لفظ غلط استعمال کیا ہے۔ یہ صرف تصوّر نہیں ہے بلکہ واقعہ ہے۔ اگر اس کو تصوّر قرار دیا جائے گا پھر تو جو مقصود آپ کے پیش نظر ہے وہ بھی حاصل نہیں ہوگا۔ وہ بھی اُسی وقت حاصل ہوگا جب کہ یہ یقین ہو۔ کہ آخرت فی الواقع ظہور پذیر ہو کر رہے گی۔ انسان کو لازماً آخرت میں اللہ تعالےٰ کے حضور میں اس دنیا کی زندگی کے محاسبہ کے لئے کھڑا ہونا ہوگا۔ مواجہہ کرنا ہوگا۔ چنانچہ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر مختلف اسالیب سے اس بات پر زور دیا گیا ہے : اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۝ وَاِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ ۝ "جس قیامت و آخرت کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ بالکل برحق ہے، سچ ہے — اور جزا و سزا کا دن لازماً واقع ہو کر رہے گا"۔ لہٰذا اس کو محض ایک تصوّر کہہ کر ہلکا نہ کر دیجیئے۔ یہ ایک واقعہ ہے جو لازماً ظہور پذیر ہوگا اور اس کا علم اللہ تعالےٰ نے اپنے رسولوں اور اپنی کتابوں کے ذریعہ سے ہمیں پیشگی عطا فرما دیا ہے تاکہ ہمارے تمام اعمال کا اصل محرک آخرت میں اللہ کی رضا کا حصول بن جائے۔

سوال : ڈاکٹر صاحب! قیامت سے مراد اس دنیا کی تباہی ہے یا کائنات کا اختتام ہے؟

جواب : یہ بات اصل میں بعد میں زیر بحث آئے گی۔ بہرحال مختصراً جواب

دیتے دیتا ہوں - اصل میں تین مراحل ہیں - ایک اس دنیا کی تباہی کا مرحلہ ہے - پھر ایک بعث بعد الموت کا مرحلہ ہے - جس میں جزا و سزا کے فیصلے ہونگے - یَوْمُ التَّغَابُنِ ۝ یَوْمُ الدِّیْنِ - پھر اس کائنات کے آخری انجام کا مرحلہ ہے، جس کے بارے میں ہمیں کچھ معلوم نہیں ہے - قرآن مجید زیادہ تر گفتگو پہلے دو مرحلوں کے بارے میں کرتا ہے - ایک تو اَلسَّاعَۃ، جب ایک بڑی ہل چل مچے گی، ایک بڑی تباہی آئے گی، دنیا کا موجودہ نظام درہم برہم ہو جائے گا - یہ اجرامِ فلکیہ ایک دوسرے سے ٹکرائیں گے اور پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کے مانند ہو جائیں گے - ایک نقشہ تو یہ ہے اَلسَّاعَۃ - اسے قرآن بہت سے ناموں سے موسوم کرتا ہے - جیسے اَلْقَارِعَۃ، اَلْحَاقَّۃ ۝ اَلطَّآمَّۃ، اَلْغَاشِیَۃ وغیرھا - اس کے بعد ہے بعث بعد الموت کا مرحلہ - تمام انسان دوبارہ پیدا کئے جائیں گے - پھر انہیں ایک میدان میں جمع کیا جائے گا جہاں وہ اپنے پروردگار کے حضور محاسبہ کے لئے کھڑے ہوں گے - وہ کھڑے ہونے کا دن یَوْمُ الْقِیَامَۃ ہے -

حضرات! جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا، آج ہم نے سورہ قیامہ کے مطالعہ کے ضمن میں چند تمہیدی باتوں پر غور کیا ہے - ان شاء اللہ العزیز اگلی نشست میں ہم اس پوری سورۃ مبارکہ کی تلاوت بھی کریں گے اور اس کا ایک رواں ترجمہ بھی بیان ہوگا جس سے اس سورت کا ایک مجموعی تأثر واضح اور روشن ہو کر ہمارے سامنے آجائے گا -

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ۝

رُوداد

سہ روزہ علاقائی اجتماع تنظیم اسلامی

(منعقدہ ۶ تا ۸ راگست ۱۹۸۵ء بمقام فیض الاسلام کمپلیکس راولپنڈی)

مرتب: عبدالرزاق

تنظیم اسلامی کے توسیع دعوت کے پروگرام کے ضمن میں ایک سہ روزہ دعوتی، تربیتی اجتماع ۶، ۷، ۸ راگست کو فیض الاسلام کمپلیکس، فیض آباد راولپنڈی میں منعقد ہوا۔ جس میں تنظیم اسلامی میں شامل مختلف شہروں میں مقیم رفقاء نے شرکت کی۔ یہ اجتماع علاقائی بنیاد پر شمالی پنجاب، صوبہ سرحد، آزاد کشمیر اور شمالی علاقہ جات میں رہائش پذیر رفقاءِ تنظیم کی تربیت اور ان علاقوں کے لوگوں تک رفقاءِ تنظیم کے ذریعے تنظیم کی دعوت پہنچانے کے لیے منعقد کیا گیا تھا۔ میزبانی کے فرائض تنظیم اسلامی راولپنڈی اور تنظیم اسلامی اسلام آباد نے مشترکہ طور پر انجام دیئے۔

اس پروگرام کی تشہیر کے لیے راولپنڈی اور اسلام آباد کے رفقاء نے دونوں شہروں میں نمایاں مقامات پر بہت سے بڑے بڑے خوب صورت بینرز لگائے۔ مزید برآں پوسٹرز، ہینڈ بل اور مقامی اخبارات میں اشتہارات کے ذریعے وسیع پیمانے پر پبلسٹی کی گئی۔

علاقائی بنیاد پر اس طور سے یہ پہلا بڑا اجتماع تھا جس کی میزبانی ہماری متذکرہ بالا تنظیمیں کر رہی تھیں۔ چنانچہ ان کی مدد کے لیے ایک ایڈوانس پارٹی میاں محمد نعیم صاحب نائب امیر تنظیم اسلامی کی قیادت میں مرکز سے اجتماع سے دو دن قبل راولپنڈی پہنچ گئی۔ اس دوران راولپنڈی/اسلام آباد کے رفقاء اپنے طور پر اجتماع کے انتظامات کو آخری شکل دے چکے تھے۔ کچھ مفید مشورے اس پارٹی کی طرف سے بھی دیے گئے جسے ہمارے ساتھیوں نے خوشدلی کے ساتھ قبول کر لیا۔

فیض الاسلام کمپلیکس کے حیات بخش ہال کو قرآنی آیات کے خوب صورت بینرز سے

سجایا گیا تھا۔ ہال کے باہر بھی مختلف مقامات پر آیاتِ قرآنی، احادیث اور علامہ اقبال مرحوم کے اشعار پر مشتمل بینرز لگائے گئے تھے۔ کمپلیکس کے صدر دروازے کے باہر پروگرام کی اطلاع کے لیے بینرز آویزاں کیے گئے تھے۔ اضافی روشنی کے لیے متعدد سرچ لائٹس کا انتظام تھا۔ رفقاءِ تنظیم مختلف علاقوں سے ۵ اگست بعد دوپہر ہی فیض الاسلام کمپلیکس پہنچنا شروع ہو گئے تھے۔ رفقاء کو خوش آمدید کہنے کے لیے کمپلیکس کے صدر دروازہ کے ساتھ استقبالیہ کاؤنٹر کا اہتمام کیا گیا تھا۔ جہاں اس پروگرام میں شرکت کی غرض سے آنے والے رفقاء اور دیگر حضرات کے مختصر کوائف درج کرنے اور شرکاء کو مطلوبہ معلومات فراہم کرنے کا پورا انتظام کیا گیا تھا۔ کوائف کے اندراج کے فوراً بعد ہر شریکِ اجتماع کو تعارفی بیج ( ) اور طعام گاہ کے لیے کارڈ مہیا ( ) کر دیا جاتا تھا۔ راولپنڈی اور اسلام آباد کے ساتھی جناب محمد نعیم صاحب، جناب نذیر احمد صاحب اور جناب ابوہریرہ صاحب ساتھیوں کو خوش آمدید کہنے کے لیے ہر وقت استقبالیہ پر موجود رہتے تھے۔

۵ اگست کی شام کو کمیونٹی سنٹر، اسلام آباد میں امیر تنظیم محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا ماہانہ درسِ قرآن کا پروگرام تھا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے سورہ عنکبوت کی منتخب آیات کے حوالے سے دین کا کام کرنے والے حضرات کی راہ میں پیش آنے والی رکاوٹوں اور آزمائشوں کا تفصیل سے ذکر کیا اور پھر ان آزمائشوں میں صبر و استقلال کا مظاہرہ کرنے اور ثابت قدم رہنے کے لیے قرآنی ہدایات کو وضاحت سے بیان کیا۔

کمیونٹی سنٹر حاظرین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے پونے دو گھنٹے تک درسِ قرآن دیا۔ حاظرین نے پورے صبر و سکون کے ساتھ درس سنا۔ تنظیم کے رفقاء نے کمیونٹی سینٹر کے صدر دروازے پر مکتبہ اور کیسٹس کا اسٹال لگا رکھا تھا۔ درس کے آغاز سے قبل اور اختتام درس پر اسٹال پر خاصی رونق دیکھنے میں آئی۔

دوسرے شہروں سے آنے والے کئی رفقاء اس پروگرام میں شرکت کے لیے براہ راست یہاں پہنچ گئے تھے اور یہاں سے فارغ ہو کر ہی فیض الاسلام کمپلیکس پہنچے۔ میزبان تنظیم نے کمپلیکس کے دارالطعام میں رفقاء کے طعام کا اہتمام کر رکھا تھا۔ تمام معاملات میں نظم و ضبط کی کیفیت نمایاں تھی۔

اس یوم روزہ اجتماع کے لیے جو پروگرام طے کیا گیا تھا، اس کی تفصیلات حسبِ ذیل ہیں:

روزانہ نمازِ فجر کے فوراً بعد سے ڈیڑھ گھنٹہ ۔ رفقاء کا تعارف۔

۶:۳۰ بجے تا ۸:۰۰ بجے صبح	ناشتہ اور دیگر ضروریات سے فراغت۔
۸:۰۰ بجے تا ۱۱:۰۰ بجے "	تربیتی پروگرام
۱۱:۰۰ " تا ۱۱:۳۰ "	وقفہ چائے
۱۱:۳۰ " تا ۱:۰۰ " دوپہر	ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا تنظیمی و تربیتی موضوعات پر خطاب۔
۱:۰۰ تا ۴:۴۵ سہ پہر	نماز ظہر، کھانا، قیلولہ
نماز عصر تا مغرب	تنظیمی اُمور کا جائزہ۔
مغرب تا عشاء	خطابِ عام۔ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد۔

۶ اگست کی صبح نمازِ فجر کے فوراً بعد اجتماع کی باقاعدہ کارروائی کا آغاز ہُوا۔ میاں محمد نعیم صاحب، نائب امیر تنظیم اسلامی نے کچھ رفقاء کا تعارف کروایا۔ رفقاء کے تعارف کے ضمن میں ایک سوالنامہ تیار کیا گیا تھا۔ جس میں درج ذیل سوالات کیے گئے تھے۔

(۱) اسمِ گرامی (۲) مقامِ رہائش (۳) تعلیمی قابلیت (۴) ذریعہ معاش
(۵) تنظیم کے نصب العین کو خود کس حد تک سمجھا ہے۔
(۶) تنظیم کی دعوت کو پھیلانے کے ضمن میں انفرادی کوشش۔

تعارف کے پروگرام کے بعد حسبِ پروگرام صبح آٹھ بجے تک ناشتے وغیرہ کے لیے وقفہ ہُوا۔ ۸ بجے رفقاء تعلیمی و تربیتی پروگرام کے لیے دوبارہ ہال میں جمع ہو چکے تھے۔ یہ تعلیمی اور تربیتی پروگرام محترم ڈاکٹر صاحب کے منتخب نصاب نمبر۲ کے نو اسباق کے دروس پر مشتمل تھا۔ تین دنوں میں تین تین اسباق کے دروس کے لیے ایک ایک گھنٹہ کا درس طے کیا گیا۔ چنانچہ صبح ۸ بجے تا ۹ بجے تک چوہدری غلام صاحب قیم تنظیم اسلامی نے اس سلسلے کا پہلا درس دیا۔ جو ایک اعتبار سے منتخب نصاب نمبر ا کے خلاصے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس درس میں سورۂ حج کی آخری دو آیات اور سورہ صف کی آیت ۴ اور آیات ۹ تا ۱۱ شامل ہیں۔ جن کے مطالعہ سے فرائض دینی کا جامع تصور اور جہاد فی سبیل اللہ کے مقاصد و مراحل پر روشنی پڑتی ہے۔

دوسرا درس صبح ۹ بجے تا ۱۰ بجے تک حافظ عاکف سعید صاحب، ریسرچ فیلو قرآن اکیڈمی

نے دیا۔ اس درس کا موضوع تھا: "اقامتِ دین کی فرضیت اور اس کے لیے زور دار دعوت" جس پر سورہ شوریٰ کی آیات ۱۳ تا ۱۵۔ اور آیات ۴۷ تا ۴۸ کی روشنی میں مربوط گفتگو کی گئی۔

تیسرا درس جناب حافظ محمد رفیق صاحب نے دیا۔ آپ بھی قرآن اکیڈمی کے ریسرچ فیلوز میں سے ہیں۔ ان کے درس کا موضوع بہت اہم اور نازک تھا۔ انہوں نے سورہ آل عمران آیات ۱۰۲ تا ۱۰۴۔ اور سورہ توبہ آیات ۱۱۱۔ ۱۱۲ کی روشنی میں "بگڑے ہوئے مسلمان معاشرے میں اسلامی انقلاب کے آخری اقدام کا عنوان نہی عن المنکر اور محافظتِ حدود اللہ کے ضمن میں طاقت کا مظاہرہ اور چیلنج" جیسے موضوعات پر بڑی جرأت اور خوبی کے ساتھ مدلل گفتگو کی۔

۱۱ بجے تا ۱۱½ بجے تک وقفہ رہا۔ ساڑھے گیارہ بجے پھر اجتماع کی کارروائی شروع ہوئی۔ امیر تنظیم اسلامی نے ایک خاکے ( ) کے ذریعے دینی فرائض کے تصور کو واضح فرمایا اور ان دینی فرائض کی باہمی نسبت و اہمیت کو اُجاگر کیا۔ مزید برآں صبح کی نشست میں دیے گئے دروس کے باہمی ربط کے بارے میں مفید اشارات و نکات بیان فرمائے — نمازِ ظہر کی اذان کے ساتھ یہ نشست ایک بجے اختتام پذیر ہوئی۔

بعد نمازِ عصر پروگرام کے مطابق مختلف علاقوں کی تنظیموں کے امرا نے تنظیموں کی کارکردگی اور دعوتی سرگرمیوں کی رپورٹیں پیش کیں۔

محترم ڈاکٹر صاحب کے خطاب عام کے لیے فیض الاسلام کمپلیکس کے حیات بخش ہال ہی میں اہتمام کیا گیا تھا۔ اس لیے کہ موسمی صورتِ حال غیر یقینی تھی۔ ہال سامعین سے کھچا کھچ بھرا ہُوا تھا۔ ہال کے باہر اضافی کرسیوں کا اہتمام کیا گیا تھا۔ ہال کے باہر کھُلی جگہ پر لگائی گئیں کرسیوں پر بیٹھے ہوئے سامعین محترم ڈاکٹر صاحب کا خطاب سُننے میں اس قدر منہمک تھے کہ معمولی بوندا باندی سے اُن کی توجہ و انہماک میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ البتہ جب موسلا دھار بارش شروع ہو گئی تو لوگوں نے اپنی کرسیوں سمیت ہال اور ہاسٹل کے وسیع برآمدوں میں پناہ لی۔

ڈاکٹر صاحب نے دو گھنٹے کے خطاب میں پاکستان میں اسلامی انقلاب کی ضرورت اور اہمیت پر گفتگو کرتے ہوئے ان حالات کا ذکر فرمایا جن حالات میں پاکستان وجود

میں آیا۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ ہندوؤں اور انگریزوں کی مسلمانوں سے شدید نفرت اور مخالفت کے باوجود پاکستان کا وجود میں آنا واضح طور پر ایک معجزہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسے بجا طور پر مملکتِ خداداد پاکستان کہا جاتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ڈاکٹر صاحب نے تصویر کا دوسرا رُخ دکھاتے ہوئے فرمایا کہ پاکستان بننے کے بعد ہم نے جس طرح آزادی کی ناقدری کی اس کی سزا کے طور پر پاکستان کا ایک بازو اس سے الگ ہو چکا ہے اور اڑتیس سال گذرنے کے باوجود ابھی تک یہ ملک اپنی بقاء اور سلامتی کے تحفظ کے لیے اِدھر اُدھر دیکھ رہا ہے۔ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا لیکن مراعات یافتہ طبقہ نے یہاں اپنے ناجائز مفادات کی حفاظت کے لیے جان بوجھ کر اسلام کے ورود کو روکا ہے۔ اور اسی کی سزا ہے، کہ آج یہ ملک وہ نہیں ہے جو قائدِ اعظم نے ہمارے سپرد کیا تھا۔ اور ظلم یہ ہے کہ آج پاکستان میں کھُلم کھلا پاکستان کو توڑنے اور کنفیڈریشن کی باتیں ہو رہی ہیں، اور اگر ہماری روش یہی رہی تو اس بچے کھُچے پاکستان کا بھی اللہ ہی حافظ ہے۔ انہوں نے مزید فرمایا کہ پاکستان کے استحکام کے لیے ان عوامل میں سے کوئی ایک بھی اس کی پُشت پر نہیں ہے جو عام طور پر ملکوں کے استحکام کا باعث بنتے ہیں۔ مثلاً طویل تاریخی پس منظر، قدرتی سرحدیں، وہاں کے لوگوں کا زبان، نسل، رنگ، لباس، وضع قطع وغیرہ میں ایک جیسا ہونا، مختصراً یہ کہ ان معروف عوامل میں سے کوئی بھی عامل پاکستان کے وجود اور استحکام کے لیے جواز فراہم نہیں کرتا۔ پاکستان واحد ملک ہے جو ایک نظریہ کی بنیاد پر قائم ہُوا تھا اور اس کے استحکام اور سلامتی کے لیے بھی واحد ذریعہ حقیقی اور واقعی اسلام کا نفاذ ہے۔ ایسا اسلام جو بیک وقت عوام کی ذہنی سطح کے مطابق ہو اور جسے جمہور علماء کی سند حاصل ہو۔ خطاب کے اختتام پر نماز عشاء باجماعت ادا کی گئی۔

۷ راگست کو حسبِ پروگرام نماز فجر کے بعد تعارفی پروگرام ہُوا۔ جس میں میاں محمد نعیم صاحب نے گذشتہ روز ہی کے انداز میں مزید رفقاء کا تعارف کروایا۔ ناشتے وغیرہ سے فراغت کے بعد ۸ بجے صبح دوسری نشست کا آغاز ہُوا۔ جس میں چوہدری غلام محمد صاحب نے منتخب نصاب نمبر ۲ کے چوتھے درس میں شامل آیات قرآنی کے حوالے سے اقامتِ دین کے لیے کام کرنے والوں کے مطلوبہ اوصاف کی وضاحت فرمائی۔ اس درس میں سورہ فتح

کی آخری آیت اور سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۵۴ شامل ہے۔

۹ بجے صبح اس تربیتی پروگرام کے دوسرے مقرر جناب حافظ عاکف سعید صاحب نے پانچویں درس میں شامل آیات قرآنی کے حوالے سے یہ واضح کیا کہ "حزب اللہ کی تشکیل میں فیصلہ کن عامل یہ ہے کہ حزب اللہ کے ارکان کی محبتیں اور دوستیاں صرف اُن لوگوں تک محدود رہیں جو اُن کے ہم مقصد ہوں اور اس عظیم مشن میں اُن کے ساتھ شریک ہوں۔ کسی اور کی محبت، خواہ وہ باپ ہو، بھائی ہو، بیٹا ہو، اگر اس کے مشن کی راہ میں رکاوٹ بن گئی تو یہ چیز اس حزب اللہ (یا انقلابی جماعت) کے لیے نہایت خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔

اس درس میں سورہ مائدہ آیات ۵۰ تا ۵۶، سورہ مجادلہ آیات ۲ تا ۲۲۔ اور سورہ مجادلہ آیات ۱۴ تا ۱۹ شامل تھیں۔

اس پروگرام کے آخر میں حافظ محمد رفیق صاحب نے اقامتِ دین کی جدوجہد کرنے والی جماعت کی ہیئتِ ترکیبی اور تنظیمی اساس یعنی 'بیعت' کو قرآن و حدیث سے بالوضاحت بیان فرمایا۔ اس موضوع کے ضمن میں جو آیات زیرِ مطالعہ آئیں اُن میں سورہ صف آخری آیت، سورہ فتح کی آخری آیت کا پہلا جزو، سورہ توبہ آیات ۱۱۱، ۱۱۲۔ سورہ فتح آیت نمبر ۱۰ اور آیت نمبر ۱۸ شامل ہیں۔ ان آیات کے علاوہ اس موضوع سے متعلق متعدد احادیث بھی بطور حوالہ پیش کیں۔ چائے کے وقفہ کے بعد ساڑھے گیارہ بجے تا ایک بجے تک محترم ڈاکٹر صاحب نے مذکورہ دروس کا باہمی ربط واضح کیا اور ان سے متعلق بعض امور کی وضاحت فرمائی۔ یہ نشست نمازِ ظہر پر اختتام پذیر ہوئی۔ بعد نمازِ عصر پروگرام کے مطابق آج بھی مختلف تنظیموں کی دعوتی سرگرمیوں کی رپورٹیں پیش کی گئیں۔

بعد نمازِ مغرب خطابِ عام میں محترم ڈاکٹر صاحب نے پاکستان میں اسلامی انقلاب لانے کے لیے ایک ایسی جماعت کی ضرورت پر زور دیا جو پوری طرح نظم (DISCIPLIN) کی پابند ہو اور اس کی قوت اتنی ہونی چاہیے کہ اگر وہ ملک میں پھیلے ہوئے منکرات میں سے کسی بھی منکر کو روکنے کا حکومت سے مطالبہ کرے تو حکومت کو اس پر سنجیدگی سے سوچنا پڑے۔ اور اگر حکومت کی طرف سے اس معاملے میں اس جماعت پر تشدد کیا جائے تو اس کو بھی پورے صبر و ثبات کے ساتھ برداشت کرے۔ یہاں تک کہ شدید ترین

تشدد بھی اسے اپنے موقف سے نہ ہٹا سکے۔ ایسی مضبوط جماعت، بلاشبہ، بیعت، سمع و طاعت ہی کی بنیاد پر قائم ہو سکتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ اگر کوئی جماعت اپنے ڈسپلن اور صبر و ثبات سے حکومت کے تشدد کو برداشت کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ تو اس کے نتیجے میں یا تو حکومت کو اس برائی کو ختم کرنا پڑے گا۔ اور اگر حکومت ایسا کرتی ہے تو فہو المطلوب اس کے بعد دوسری برائی کو ختم کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا۔ وقس علیٰ ذالک یا دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ حکومت اس برائی کو ختم کرنے کی بجائے اس جماعت پر تشدد میں اضافہ کرتی ہے تو یہی روش اس کے زوال کا باعث بن جائے گی۔ اس لیے کہ عوام میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جو ظاہراً تو خاموش تماشائی ہوتے ہیں لیکن وہ لوگ جب یہ دیکھتے ہیں کہ حکومت کی جانب سے شدید تشدد کے باوجود اس انقلابی جماعت کے ارکان صبر و ثبات کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور حق کے پرچار اور برائیوں کے خاتمے کے لیے ڈٹے ہوئے ہیں، تو اس خاموش اکثریت، ( ) کی ہمدردیاں از خود اس جماعت کے ساتھ ہو جاتی ہیں۔ اور یہی چیز بالآخر اس باطل نظام کی ناکامی اور اسلامی انقلاب کی کامیابی کا سبب بن جائے گی۔

پروگرام کے اختتام پر نماز عشاء باجماعت ادا کی گئی۔

۸ اگست کو نماز فجر کے بعد ۶ افراد نے تنظیم اسلامی میں شمولیت اختیار کی۔ تعارفی نشست کی بجائے ڈاکٹر صاحب نے مختصر خطاب فرمایا۔ ۸ بجے سے ۱۱ بجے تک حسب معمول منتخب نصاب کے دروس کے سلسلے میں چوہدری غلام محمد صاحب نے "نظم جماعت کی پابندی اور اس سے رخصت اور معذرت وغیرہ" کے ضمن میں سورہ نور آیات ۶۲ تا ۶۴ اور سورہ توبہ آیات ۴۳ تا ۴۹ میں موجود قرآنی ہدایات کی توضیح و تشریح فرمائی۔ بعد میں حافظ محمد رفیق صاحب نے امیر کی اطاعت، تنازع فی الامر اور بحوث جیسے اہم اجتماعی زندگی سے متعلق موضوعات پر سورہ نور آیات ۵۴ تا ۵۶۔ سورہ نساء آیت ۵۹، سورہ انفال آیت ۴۶، سورہ آل عمران آیت ۱۵۲ اور آیت ۱۵۴۔ اور سورہ مجادلہ آیات ۹ تا ۱۱ کے حوالے سے گفتگو فرمائی۔ آخر میں حافظ عاکف سعید صاحب نے سورہ شعراء آیات ۲۱۴ تا ۲۱۷، سورہ حجر آیت ۸۸، سورہ کہف آیت ۲۸،

سورہ انعام آیات ۵۲ تا ۵۴، سورہ توبہ آیت ۱۲۸ ۔ اور سورہ آل عمران آیت ۱۵۹ کی روشنی میں جماعتی نظم میں امراء کا اپنے رفقاء کے ساتھ طرزِ عمل اور اس ضمن میں اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا ۔

... ۱۱ بجے تا ۳۰-۱۱ بجے تک وقفہ رہا ۔ ۳۰-۱۱ بجے کی نشست میں تنظیمی و تربیتی دروس کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے محترم امیر تنظیم اسلامی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے فرمایا کہ اس منتخب نصاب پر خصوصاً اس کے سبق نمبر ۴، ۵، ۶، ۷، پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ مذکورہ آیات کے مضامین نبی اکرم ؐ اور صحابہ کرام رضؓ کے لیے مخصوص ہیں اور یہ کہ ان کو عام لوگوں پر منطبق نہیں کیا جانا چاہیئے ۔ ڈاکٹر صاحب نے ان متوقع اعتراضات کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ قرآن مجید کتاب ہدایت ہے اور زندگی کے تمام معاملات میں رہنمائی فراہم کرتی ہے ۔ دوسری جانب دین اگر قائم و نافذ نہیں ہے تو اس کی اقامت کے لیے جدّ و جہد کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے ۔ ایسے اہم دینی فریضہ کی ادائیگی کے لیے قرآن مجید کا ہدایات نہ دینا قرآن حکیم کے مکمل ضابطہ حیات ہونے کے منافی ہے ۔ اور مزید یہ کہ نبی اکرم ؐ نے جو انقلاب برپا کیا اس میں وہ سب مراحل آئے جو کسی بھی انسانی انقلابی جدّ و جہد میں آسکتے ہیں ۔ اور قرآنِ حکیم کا ایک قابلِ ذکر حصّہ اس انقلابی جدّ و جہد کے مختلف مراحل پر دی جانے والی ہدایات پر مشتمل ہے ۔ لہٰذا وہ سب ہدایات جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس جدّ و جہد کے مختلف مراحل پر دی گئیں ان سب کا اطلاق اس دینی جماعت کے امیر اور مامورین پر اس استثناء کے ساتھ ہو سکتا ہے کہ اطاعت امیر کو اطاعت فی المعروف کی شرط کے ساتھ محدود کر دیا جائے ۔ اس امر کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ حضور ؐ ایک جامع اور ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے لیکن آپ کی رسول ہونے کی حیثیت نمایاں اور غالب نظر آتی ہے ۔ اگر غور کیا جائے، تو آپؐ کی زندگی کے ہر گوشے اور معاملے میں تمام نوعِ انسانی کے لیے اسوہ موجود ہے آپ ؐ کی زندگی میں حکومت کے سربراہ سے لے کر ایک بیوی کے شوہر اور کسی بیٹی کے باپ تک کے لیے بھی اسوہ اور نمونہ موجود ہے ۔ اسی طرح ایک انقلابی جماعت کے امیر کی کیا خصوصیات ہونی چاہئیں، اس کے لیے بھی حضورِ اقدس کی ذات ہی مینارہ نور

کی حیثیت رکھتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب محترم نے اس وضاحت کے بعد مذکورہ درس کے باہمی ربط کو واضح فرمایا اور چند مقامات کی مزید تشریح و توضیح فرمائی۔ اور آخر میں اس سہ روزہ علاقائی اجتماع کے اختتام کا اعلان فرمایا۔ البتہ راولپنڈی/اسلام آباد کے رفقاء کو نماز عشاء تک ٹھہرنے کے لیے کہا گیا۔ کیونکہ ابھی شام کو بعد نماز مغرب سوال و جواب کی نشست ہونا باقی تھی۔ نماز عصر کے بعد مولانا مفتی سیاح الدین کاکاخیل صاحب ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کے لیے تشریف لائے۔ نماز مغرب تک گفتگو ہوتی رہی۔ محترم مفتی صاحب نے نماز مغرب اور عشاء وہیں باجماعت ادا کیں۔ اور نماز مغرب کے بعد سوال و جواب کی پوری نشست میں محترم ڈاکٹر صاحب کے ہمراہ اجتماع میں شریک رہے۔ نماز مغرب کے بعد سوال و جواب کی نشست کا آغاز ہوا۔ گذشتہ دو دنوں کے سامعین کی بڑی تعداد سوال و جواب کی نشست میں شرکت کے لیے موجود تھی۔ اس نشست میں سامعین کی تعداد اور ان کی دلچسپی ہماری توقعات سے بہت بڑھ کر تھی۔ ڈاکٹر صاحب محترم نے پورے صبر و سکون کے ساتھ ایک گھنٹہ سے بھی زائد وقت تک شرکاء کے سوالات کے جوابات دیئے اور قریباً نو بجے شب لاہور واپسی کے لیے ایئرپورٹ روانہ ہو گئے۔

یہ اجتماع اپنے بنیادی مقاصد یعنی رفقاء کے باہمی تعارف ان کی تربیت اور توسیع دعوت کے اعتبار سے بہت کامیاب رہا۔ راولپنڈی/اسلام آباد کے تمام رفقاء مبارکباد کے مستحق ہیں جنہوں نے اس اجتماع کے انعقاد کے ضمن میں شب و روز کام کیا۔ خصوصاً جناب محمد اکرم واسطی صاحب، ناظم اجتماع، جناب عابد اکرام اللہ صاحب، عبدالغفور رانا صاحب، محمد نعیم صاحب، ابوہریرہ صاحب اور محمد نذیر صاحب نے جس جذبے، محنت، اور لگن سے مہمان رفقاء کی خدمت کی، اس کا ذکر نہ کرنا ناانصافی قرار پائے گا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو ان کی محنت اور کوشش کا بھرپور بدلہ عطا فرمائے۔ آمین یقیناً احسان ناشناسی ہوگی اگر ہم فیض الاسلام کمپلیکس کے بانی جناب حیات بخش صاحب اور وہاں کی انتظامیہ کا شکریہ ادا نہ کریں جنہوں نے کمال مہربانی سے ہمیں اپنے کمپلیکس میں تمام ممکن سہولتیں بہم پہنچانے کا اہتمام فرمایا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں صحت و سلامتی سے نوازے۔ آمین

Freshwel
RASGULLA
Freshwel
حلوہ جوزی
مہمان نوازی کے رنگ
فریش ویل سوئیٹس
کے سنگ
فریش ویل سوئیٹس
اور حلوہ جات نہ صرف بیرون
ملک بلکہ اندرون ملک بھی
معزز مہمانوں کی تواضع، عزیز و اقارب
اور دوست احباب کو سوغات کے
طور پر دینے کے لیے خوش ذوق حضرات
احمد کی مصنوعات ہی کا انتخاب کرتے ہیں۔
احمد کے حلوہ جات پاکستان میں پہلی بار
جدید ترین نائٹروجن پلانٹ پر سیلوفین پیکنگ
کے ساتھ ایئر ٹائٹ ڈبوں میں پیش کئے جاتے
ہیں جس کا ڈھکن آسانی سے کھل جاتا ہے۔
ہم نے پہلی بار پاکستان میں متعارف کرایا۔
احمد
احمد کراچی حلوہ مرچنٹ لمیٹڈ
ڈی-۱۲- سائٹ کراچی - فون: ۹۵ - ۲۹۳۳۹۱
MASS

مولانا سعید احمد اکبر آبادی

کی 'میثاق' میں شائع شدہ گفتگو سے متعلق

دو نہایت اہم وضاحتی خطوط

(1)

مکتوب گرامی مولانا اخلاق حسین قاسمی مدظلہٗ (دہلی)

گرامی قدر محترم ڈاکٹر صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مولانا سعید احمد اصاحب اکبر آبادی مرحوم کا انٹرویو میثاق میں نظر سے گزرا، آپ کے اور میثاق کے تعلق سے اس انٹرویو کی بعض باتیں بعض دینی حلقوں میں باعث شکایت بن سکتی ہیں اس لیے یہ چند سطریں میثاق میں شائع کر کے ممنون فرمائیں،

مولانا انور شاہ صاحب کشمیری کے استعفےٰ کا واقعہ اور اس کا پس منظر اس سے بالکل مختلف ہے جو بیماری کے آخری ایام میں مولانا اکبر آبادی کی زبان سے نکلا، اس وقت کی مجلس شوریٰ اس دور کے نہایت معتمد اور متدین حضرات پر مشتمل تھی، اس شوریٰ نے اس وقت کے اہتمام پر خوش پروری کا الزام لگایا اور نہ مالی کمزوری کا شاہ صاحب کا استعفےٰ ان کے جوشیلے شاگردوں کی ایک پارٹی کی سیاست کا نتیجہ تھا۔ جس پارٹی سے مولانا اکبر آبادی کا بھی وابستہ رہے،

مولانا محمد سالم صاحب خلف مولانا محمد طیب صاحب اس الزام کی وضاحت میں خود ہی ایک بیان ارسال کریں گے۔

تبلیغی جماعت کے عام کارکنوں سے۔ خواص سے نہیں۔ کچھ شکایات ضرور رہتی ہیں لیکن اس کے باوجود علماء حق اس تحریک کو مستحسن نظروں سے دیکھتے ہیں، بعض جزوی کمزوریوں کے سبب ایک بنیادی تبلیغی جد وجہد کو اس قدر مطعون کرنا قطعی طور پر نامناسب ہے، مولانا علی میاں صاحب ہوں یا منظور نعمانی صاحب یا دوسرے علماء

مدارس سب اس تحریک سے وابستہ ہیں، اصلاح حال کی کوشش کی جاتی ہے اور کی جانی چاہیئے۔

ایسی صورت میں جبکہ یہ تحریک اپنے سربراہ شیخ الحدیث کی بھاری بھرکم شخصیت سے محروم ہوگئی ہے اور مولانا انعام الحسن صاحب عدالت طلبع کے سبب وقت کم دیتے ہیں اس جدوجہد کو سہارا دینا ضروری ہے ــــ نہی عن المنکر تبلیغ کا ایک اہم رکن ہے مگر اس کی ادائیگی کے لیے صرف تبلیغی جماعت کو ذمہ دار قرار نہیں دیا جاسکتا ــــ باہر کے علماء اس کام میں کتنا وقت دیتے ہیں۔ وہ غور کریں، ہم غور کریں،

اکبر آبادی صاحب نے مولانا تھانوی کے بارے میں فرمادیا کہ وہ علماء کی نظروں میں مشتبہ تھے ــــ خدا جانے اس کا کیا مطلب ہے ــــ مولانا اکبر آبادی تاریخ وادب کے آدمی تھے، حدیث وفقہ کے آدمی نہیں تھے، اس لیے حدیث وفقہ کے مسائل میں مولانا کا اجتہاد اور تلفیق بین المذاہب اہل علم کو شبہ میں ڈالتی تھی۔

فقہی مسائل میں ضرورت کے لحاظ سے ترجیح اور تلفیق اصحاب فن کی ایک جماعت بحث وتذکرہ کے بعد کرسکتی ہے ــــ یہ کام انفرادی طور پر کرنے کا نہیں ہے علامہ اقبال نے صحیح طور پر ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ علمی اور سماجی زوال کے دور میں اجتہاد سے تقلید بہتر ہے ــــ

آمین رفع یدین فاتحہ خلف الامام وغیرہ بعض مشہور مسائل عبادت میں ترجیح اور تلفیق کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ یہ مسائل آج مسلم معاشرہ کو پریشان کررہے ہیں۔

جو مسائل پریشان کررہے ہیں وہ تمدنی، معاشی اور اجتماعی مسائل ہیں جنکو سمجھنے کی اہلیت بھی ہر مذہبی عالم میں نہیں ہے ــــ انہیں حل کرنے کی منزل تو بعد میں آتی ہے یہ مسائل جدید وقدیم اہل علم کے اجتماعی اجتہاد کا تقاضا کرتے ہیں۔

دراصل آپ دارالعلوم دیوبند کے حالیہ قضیہ میں مولانا اکبر آبادی صاحب کا جو رویہ تھا اس سے اچھی طرح باخبر نہیں ہیں ورنہ آپ مرحوم کو نہ چھیڑتے، مرحوم کی شخصیت اس قضیہ میں متنازع بن گئی تھی اور اس وجہ سے ان کا ذہن اسی گروہ بندی سے متاثر رہا،

مولانا مرحوم کی جدائی ایک عظیم دینی اور ملی سانحہ ہے، جوان العمر صاحبزادے کی اندوہناک وفات کے بعد سے وہ بجھتے چلے جارہے تھے، ــــ خدا تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔

تمام اکابر واحباب کی خدمت میں سلام مسنون۔

اخلاق حسین قاسمی

۲۴ر اگست ۸۵ء

(۲)

مکتوبِ گرامی مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہٗ (لکھنؤ)

از محمد منظور نعمانی
لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرم و محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب! احسن اللّٰہ الیکم و الینا

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ ۔ خدا کرے مزاج بعافیت ہو۔

یاد آتا ہے کہ کسی عریضہ میں اپنا یہ حال آپ کو لکھ چکا ہوں کہ ہائی بلڈ پریشر کا مریض ہوں ۔ اس کی وجہ سے اپنے اوپر یہ پابندی عائد کر لی ہے کہ شدید ضرورت ہی سے کسی چیز کا مطالعہ کرتا ہوں ۔ دفتر الفرقان میں کہہ دیا ہے کہ جو رسائل و جرائد آتے ہیں میرے پاس نہ بھیجے جائیں ۔ تقریباً دو ڈھائی سال سے اس پر عمل ہو رہا ہے اور ان کے مطالعہ سے محرومی پر اپنے کو قانع کر لیا ہے ۔ اب یاد نہیں کہ کتنی مدت سے میثاق کی اور اسی طرح دوسرے رسائل کی صورت بھی نہیں دیکھی ـــــ دو تین دن ہوئے مولوی خلیل الرحمٰن سجاد سلمہٗ نے ذکر کیا کہ تازہ میثاق میں آپ کا ذکر آیا ہے اس کو دیکھ لینا چاہیئے ۔ میں نے کہدیا کہ وہ مجھے پہونچا دیجو ۔ انہوں نے پہنچا دیا اور یہ بھی بتلا دیا کہ صفحہ ۱۲ ، اور ۱۸ پر آپ کا ذکر ہے ۔ میں نے اس کو دیکھا ۔ اس کے بعد مولانا اکبرآبادی مرحوم کے اور آپ کے اس پورے سلسلۂ کلام کو بھی پڑھا ۔

اس وقت صرف اپنے بارے میں ضروری سمجھ کر ممکن حد تک اختصار کے ساتھ کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں ۔ بل الانسان علیٰ نفسہٖ بصیرۃ ۔

میں یقین دلاتا ہوں کہ مجھے اس کا وہم اور وسوسہ بھی نہیں ہے کہ آپ نے یا اس مکالمہ کے مرتب کرنے والے صاحب نے کوئی بات غلط طور پر مولانا مرحوم کی طرف نسبت کر کے نقل فرمائی ہو گی ۔ یا مولٰنا مرحوم نے میرے بارے میں کوئی بات دانستہ طور پر غلط طور پر بیان فرمائی ہو گی ـــــ اور پورے یقین اور وثوق کیساتھ یہ بھی عرض کرتا ہوں کہ جو دو باتیں میرے بارے میں لکھی گئی ہیں وہ صحیح نہیں ہیں کسی غلط فہمی کا نتیجہ ہوں گی ۔

میرا خیال ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی شکل و صورت الگ بنائی ہے غالباً اسی طرح ہر ایک کی ذہنی ساخت بھی الگ ہے ۔ بعض حضرات کے متعلق میرا ذاتی تجربہ ہے کہ ایک بات ان کے ذہن اور خیال میں ہوتی ہے پھر وہ ایک واقعہ کی طرح ان کے ذہن میں مرتسم ہو جاتی ہے پھر وہ اس کو واقعہ کے طور پر بیان

فرما دیتے ہیں بلکہ لکھ بھی دیتے ہیں ــــ

میرا خیال وقیاس ہے (والعلم عند اللہ) کہ میثاق کی روایت کے مطابق مولانا مرحوم نے حضرت مولانا شاہ وصی اللہؒ الٰہ آبادی (وصی احمد خاں نہیں) کے کسی "مرید خاص" کے کسی رسالہ کے بارے میں مجھ سے متعلق جو بیان فرمایا میں اپنے حافظہ پر پورے اعتماد اور وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس طرح کی کوئی بات مولانا مرحوم کے اور میرے درمیان کبھی نہیں ہوئی۔ میں نے یہ بات میثاق میں پہلی دفعہ پڑھی ہے ــــ میرا خیال یہ ہے کہ انہوں نے کبھی ایسا خیال فرمایا ہوگا اور پھر وہ واقعہ کے طور پر ان کے ذہن میں قائم ہوگیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس طرح کی بات مولانا مرحوم کی کسی اور صاحب سے ہوئی ہو۔ واللہ اعلم!

اسی طرح صفحہ ۱۸ کی پہلی ہی سطر میں مجھ سے متعلق مولانا مرحوم کا جو بیان نقل ہوا ہے کہ (تبلیغی جماعت کے کام سے مایوس ہوکر) "وہ بھی ہٹ گئے" خیریت ہے کہ یہاں میری کسی گفتگو یا تحریر کا حوالہ نہیں دیا گیا ہے ــــ میرا قیاس اور اندازہ ہے کہ مولانا مرحوم نے یہ بات میرے اس حال اور طرز عمل سے سمجھی ہوگی کہ جس سرگرمی سے میں کسی زمانہ میں اس دعوت و تبلیغ کے کام میں حصہ لیتا تھا۔ ملک کی تقسیم سے پہلے کراچی، کوئٹہ، قلات اور پشاور اور کوہاٹ تک کے سفر کرتا تھا اور تقسیم کے بعد بھی بنگال، حیدر آباد اور مدراس جیسے دور دراز علاقوں تک پھرتا تھا۔ کچھ مدت کے بعد میرا وہ حال نہیں رہا۔ اور ہندوستان کے مخصوص حالات کے پیدا کئے ہوئے بعض دوسرے دینی و ملی مسائل کی طرف میری توجہ کچھ زیادہ رہی۔ اور اب تو قریباً ۱۰۔۱۲ سال سے معذوری کی وجہ سے خانہ نشینی کی زندگی گذار رہا ہوں۔ غالب گمان اور قرین قیاس یہی ہے کہ مولانا مرحوم نے میرے اس حال سے وہ سمجھا جو انہوں نے آپ سے فرمایا لیکن حقیقت اور واقعہ یہ ہے کہ دینی دعوت کی اس جد و جہد کے بارے میں میری فکر اور رائے میں کوئی ایسی تبدیلی کبھی نہیں آئی جس کو "ہٹ جانے" سے تعبیر کیا جاسکے۔

اس کام کے ساتھ میرے تعلق کی سرگزشت مختصر الفاظ میں یہ ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی وفات سے قریباً ایک سال پہلے اس دینی دعوت کے سلسلہ ہی کے ایک سفر میں ایک ہفتہ ان کے ساتھ رہ کر میں نے اس کام کو کچھ سمجھا تھا اور عملی حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ پھر ان کے مرض وفات کے آخری چار مہینوں میں میرا زیادہ تر قیام نظام الدین دہلی حضرتؒ کی خدمت میں رہا۔ اس قیام کے زمانے میں حضرت کی ذات اور ان کی دعوت سے میرا قلبی تعلق بہت بڑھ گیا اور میں نے اپنے وقت کے بڑے حصے کو اس کے لئے گویا وقف کر دیا۔ پھر حضرت کی وفات کے بعد قریباً ۳۔۴ سال تک یہی حال رہا۔ اس کے

بعد (جہاں تک یاد ہے) غیر ارادی طور پر اس میں کچھ کمی شروع ہوئی ـــــ یہ کمی صرف عمل اور جدوجہد میں تھی۔

اس کے بعد ایک وقت آیا کہ ہندوستان کے مخصوص حالات سے پیدا ہونے والے دینی و ملی کاموں کی ضرورت کے احساس نے اپنی طرف متوجہ کر لیا اور پھر ایک مدت تک زیادہ مشغولیت ان ہی کاموں میں رہی لیکن دینی دعوت والے کام سے بے تعلقی کبھی نہیں ہوئی۔ پھر اب دس سال سے تو اس معذوری کے حال میں ہوں جو آپ کے علم میں ہے۔

اپنی گذری ہوئی زندگی کے بارے میں میرا احساس یہ ہے کہ اس کا نسبتاً اچھا اور آخرت میں زیادہ کام آنے والا حصہ وہی تھا جب میں نے اپنے وقت کا بڑا حصہ اس دینی دعوت کے کام کے لئے وقف کر رکھا تھا اور اس راستے میں مالی اور جانی قربانی کی توفیق مل رہی تھی۔ اپنی زندگی کے بارے میں یہ میری رائے ہے اور ہر صاحب رائے کو اس سے اختلاف کرنے کا حق ہے۔

آخری گذارش یہ ہے کہ اس عریضہ کو میثاق کی کسی قریبی اشاعت میں شائع فرما کر ممنون کرم فرمایا جائے۔ تاکہ اس کے قارئین کو میرا حال اور موقف معلوم ہو جائے۔ ولکم جزیل الشکر۔

دعا کا محتاج و طالب اور دعا گو ہوں۔ والسلام محمد منظور نعمانی

نظر و دھوپ کی عینکوں کا مرکز

العزیز اپٹیکل کمپنی

یہاں آنکھوں کا معائنہ یورپ کے تعلیم یافتہ آنکھ کے سپیشلسٹ کرتے ہیں۔ جدید امریکن مشین کا بھی انتظام ہے۔

فیس معائنہ ۲۰ روپے ● بوقت ۲/۱ ۴ بجے شام

العزیز بلڈنگ ۲-اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور

Coca-Cola is it!

TRADE-MARK REGD.

"COCA-COLA" AND "COKE" ARE THE REGISTERED TRADE-MARKS WHICH IDENTIFY THE SAME PRODUCT OF THE COCA-COLA COMPANY.

baragon

"سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا؟"

شادی بیاہ کے سلسلے کی ایک اصلاحی تحریک اور اس پر مفتی جمیل احمد صاحب کی تنقید کا جائزہ

"حسّاس"

کے قلم سے ـــــ بشکریہ 'حرمت' اسلام آباد

۱۸۵۷ء کا حادثہ اس قدر سنگین تھا کہ الامان، ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت بالکلیہ ختم ہوگئی اور وہ غلام بن کر رہ گئے اور ان پر انگریزوں کا تسلط ہو گیا۔

دارالعلوم دیوبند اور اس جیسے دوسرے مدارس کا قیام بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت تھی مدارسِ عربیہ کی اس تحریک کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی جیسے درویشِ خدامست تھے جو شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کے خاندان کے فیض یافتہ اور اس خاندان کے اساتذہ کے علوم و معارف کے وارث تھے۔ اتفاق یہ ہے کہ جناب سرسید احمد خان اور مولانا نانوتوی دونوں نے ہی مولانا مملوک علی نانوتوی سے کسب فیض کیا۔ لیکن دونوں کی عملی راہیں جدا تھیں۔ مولانا قاسم نانوتوی اپنے رفقاء سمیت جہاد ۱۸۵۷ء میں باقاعدہ حصّہ لے کر حکومت کو بچانے کی فکر کر چکے تھے اور اس میں ناکامی پر انہوں نے ان مدارس کی طرف توجہ دی۔ جن کا مقصد مسلمانوں کی روایات، تہذیب و تمدّن اور ان کے علوم و فنون کی حفاظت تھی۔ ساتھ ہی وہ مسلمانوں کو جنگِ آزادی کے لئے تیار کرنا چاہتے تھے جیسا کہ آپ کے سب سے محبوب شاگرد مولانا محمود حسن (شیخ الہندؒ) کے تاثرات اور ان کی جدوجہد سے ثابت ہے۔ لیکن سرسیّد احمد خاں مرحوم بدلی حکومت سے تعاون کا رویہ اختیار کرنے میں عافیت سمجھتے تھے۔ گویا دونوں حضرات کے مسلک میں بُعدالمشرقین تھا۔ لیکن اس کے باوجود شخصی احترام تھا جس کا اندازہ مولانا محمد قاسم نانوتوی کے خطوط اور سرسید احمد خاں کے تعزیتی نوٹ سے ہو سکتا ہے۔

مولانا نانوتوی ان کے احباب یا اخلاف کو کسی بھی دور میں کالجی تعلیم سے نفرت نہیں رہی

نہ انہوں نے اس کے خلاف کبھی محاذ آرائی کی بلکہ مولانا کے ایک قریبی عزیز سب سے پہلے وہاں کے ذمہ دار حضرات کی خواہش پر وہاں دینیات کے مدرّس بن کر گئے۔ اور پھر ہمیشہ ہی مختلف دائروں میں تعلقات قائم رہے مولانا محمود حسن اور صاحبزادہ آفتاب احمد کے دور میں تعلقات عروج پر تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ دونوں دھارے آپس میں مل جائیں گے۔ اگر ایسا ہو جاتا تو ملّت کی قسمت بدل جاتی لیکن علی گڑھ کے بعض عزیزوں کے منفی رویہ نے صورتِ حال سنبھلنے نہ دی۔ اور شاید اسی کا ردِ عمل تھا کہ مولانا محمود حسن کی مالٹا کے قید خانہ سے واپسی پر علی گڑھ میں انہی کے ہاتھوں جامعہ ملّیہ کی بنیاد رکھی گئی جو بعد میں بوجوہ دہلی منتقل ہو گیا۔ اور آج ہندوستان کے باوقار تعلیمی اداروں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔

دیوبندی تعلیمی اسکول میں مولانا اشرف علی تھانوی ایک ایسے بزرگ تھے جو تحریکاتِ ملّیہ سے نہ صرف الگ تھلگ رہے اور محتاط روش اختیار کی بلکہ انہوں نے بسا اوقات تلخی کا بھی مظاہرہ کیا اور اتفاق یہ ہے کہ ان کے متعلقین کا قریب قریب ہمیشہ ہی یہ رویہ رہا۔ ان کے خدّام میں مولانا خیر محمد جالندھری البتہ ایسے بزرگ تھے جنہوں نے جالندھر میں مدرسہ خیر المدارس کی داغ بیل ڈالی۔ ان کے رویہ میں کمال درجہ کا توازن و اعتدال تھا۔ وہ واقعتہً ایسے بزرگ تھے جنہوں نے ہمیشہ جوڑنے کی فکر کی۔ حتیٰ کہ اسی فکر میں وہ دنیا سے رُخصت ہوئے۔

مرحوم ایّوب خان کے بعد جب ملک میں سیاسی جھگڑے بڑھے اور جمعیۃ علماء اسلام کے بالمقابل مرکزی جمعیۃ علماء اسلام کے نام سے ایک نئی جماعت کا اہتمام ہوا تو مولانا مرحوم نے اس تلخی کو ختم کرنے کے لئے بڑی جدوجہد کی۔ اور یہی صدمہ انہیں دنیا سے لے جانے کا باعث بنا۔

ان کا خلوص، تدبّر اور متوازن اندازِ فکر ہی تھا جس نے تقسیم ملک کے بعد ملتان میں خیر المدارس کی نشأۃ ثانیہ کا اہتمام کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ مدرسہ ملک کی مثالی درسگاہ بن گیا۔ ان کے سانحۂ ارتحال کے بعد ان کے منجھلے صاحبزادے مولانا محمد شریف نے بڑی ہمّت و استقامت سے اس درسگاہ کا نظام سنبھالا اور جب وہ مکّہ معظمہ کی مقدس وادی میں اپنے اللہ کے حضور پہنچ گئے تو مدرسہ میں بھونچال آ گیا ـــــ بعض حضرات نے مدرسہ میں شب خون مار کر اس پر بیرونی قیادت مسلّط کرنے کی کوشش کی اور لاہور سے ایک منتظم کو امپورٹ کرنا چاہا۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ اور مدرسہ کے بہی خواہوں نے مولانا کے نبیرہ اور مولانا محمد شریف کے صاحبزادے مولانا محمد حنیف کو اس کی صلاحیتوں کی بنا پر ادارہ کا نگران و مہتمم بنا دیا۔

مولانا حنیف کے دور میں مدرسہ سے ایک ماہنامہ مجلّہ کا اہتمام بنام "الخیر" کیا گیا۔ اس ذمہ دار اور متوازن ادارہ کی نسبت وحوالہ سے اہل ملک نے اس کا خیر مقدم کیا اور توقع رکھی کہ یہ مجلّہ ملک میں صحت مند صحافت کے فروغ میں مؤثر کردار ادا کرے گا۔

اپنے مخصوص مزاج کے تحت واقعہ یہ ہے کہ رسالہ کی ابتدا خوب تھی۔ لیکن اب چند ماہ سے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی انجمن خدام القرآن اور تنظیم اسلامی کے خلاف جس انداز سے ایک مہم شروع کی گئی ہے اسے دیکھ کر بے حد افسوس ہوتا ہے اور رہ رہ کر خیال آتا ہے کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ شاید یہ سوچا گیا ہو کہ اس طرح رسالہ کی اشاعت خوب ہوگی اور ممکن ہے ایسا ہو بھی جائے لیکن آخر ہم سب نے اپنے کئے دھرے کا حساب بھی تو دینا ہے، اس کا اگر ہم سب کو احساس ہو جائے تو ہم بہت سے منفی کاموں میں اپنی صلاحیتیں کھپانے کے بجائے مثبت کاموں میں لگ جائیں ——!!

مئی ۱۹۸۵ء کا رسالہ ہمارے سامنے ہے اسی حلقہ کی ایک بڑی درسگاہ جامعہ اشرفیہ لاہور کے مفتی مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی کا ایک مضمون شائع ہوا جس سے ازحد کوفت ہوئی اور ہم یہ سطور لکھنے پر مجبور ہو گئے۔ اس جامعہ کے بانی مولانا مفتی محمد حسن حضرت تھانویؒ کے بڑے خلفاء میں سے ایک تھے۔ جنہوں نے تقسیم ملک سے قبل امرتسر میں اس مدرسہ کی داغ بیل ڈالی تقسیم کے بعد نیلا گنبد لاہور کی ایک مترو کہ عمارت میں اس کی نشأۃ ثانیہ ہوئی اور پھر مسلم لیگی حکومت کے تعاون کے سبب فیروز پور روڈ پر لب نہر ایک وسیع قطعۂ اراضی پر اس جامعہ کی شاندار عمارت بنی۔ حضرت مفتی جمیل احمد صاحب یہیں کام کرتے ہیں۔ حضرت تھانوی سے روحانی ہی نہیں خاندانی نسبت بھی ہے۔ حضرت مرحوم کی چھوٹی اہلیہ محترمہ آپ کے پاس ہی لاہور میں مقیم ہیں اور انہی کی سرپرستی میں موصوف کے صاحبزادگان نے دینی کتب کی خرید و فروخت کا ایک ادارہ بھی بنا رکھا ہے۔

اپنی عمر اور تجربہ کے اعتبار سے حضرت مفتی صاحب پاکستان کے معمر ترین مفتی ہیں، عمر کے تقاضوں کا انسان کے مزاج پر لازمی اثر پڑتا ہے۔ شدّتِ زبان وبیان شاید اسی سبب سے ہیں۔ ویسے موصوف ایک عرصہ سے فتوٰی پر دستخط نہیں فرماتے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ کسی فتوٰی پر عدالت میں حاضری دینا پڑی جس کے بعد یہ احتیاط برتی گئی۔

"الخیر" مئی ۱۹۸۵ء میں موصوف کے نام سے ایک مضمون چھپا۔ عنوان ہے

— نیا فرقہ ، نئی تحریک —

ڈاکٹر اسرار کا اصلاح کے نام سے افساد

ڈاکٹر صاحب نے شادی بیاہ کے سلسلہ میں ایک اصلاحی تحریک شروع کی، جس کی ابتدا سرگودھا سے ہوئی ۔ آپ کے بھائی کا نکاح تھا ۔ مسجد ہری پورہ پھاٹک میں نکاح ہوا ۔ اس موقعہ پر دوسرے حضرات کے علاوہ معروف عالم دین اور شیخ طریقت مولانا مفتی محمد شفیع سرگودھوی کے دونوں ہونہار اور صاحب علم و فضل صاحبزادے مفتی احمد سعید اور قاری عبدالسمیع موجود تھے ۔ انہوں نے اس موقع پر ڈاکٹر صاحب کو مبارک باد دی اور فرمایا کہ یہ کام ہمارے کرنے کا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی توفیق آپ کو دی ۔

اس اصلاحی تحریک کے خلاف مفتی جمیل احمد صاحب کا مضمون بصورت پمفلٹ چھپا اور تقسیم ہوا ۔ اور اب وہی مضمون غالباً کسی قدر اضافہ کے ساتھ "الخیر" میں شائع ہوا ۔

اس مضمون کو پڑھ کر سخت رنج ہوا ۔ ایک شخص خدمت قرآن میں مشغول ہے ۔ ہر جگہ وہ علماء کے دروازوں پر جاتا ہے ۔ ان سے اصلاح و رہنمائی کی درخواست کرتا ہے، فقہی مسائل میں الجھنے سے گریز کرتا ہے ۔ کسی قسم کی فرقہ بندی کا دشمن ہے ۔ اس کی حوصلہ افزائی ، رہنمائی اور ہمدردی کے بجائے اس طرح کا منفی رویہ، طعن و تعریض اور مفروضات کی بنا پر غم و غصہ نہایت درجہ رنج دہ ہے ۔

مضمون کی تمہید میں مفتی صاحب قبلہ نے "کالجی تعلیم" کو نشانہ بنایا اور باور کرایا کہ اس ماحول کے لوگ آگے چل کر امت میں فساد کا باعث بنتے ہیں ۔ اس ضمن میں انہوں نے ماضی قریب کی بعض علمی تحریکات اور اداروں کا نہایت درجہ طعن کے انداز میں ذکر کیا جو سنجیدہ اور ثقہ علماء کے شایانِ شان نہیں ۔ اس ضمن میں موصوف نے ندوی اور جامعی تک کو نہ بخشا ۔ حالانکہ ندوہ وہ عظیم الشان علمی تحریک ہے جس کے بانیوں میں وقت کے اکابر علماء و صلحاء شامل تھے ۔ حضرت تھانوی کے خادم اور سیرت النبی کے مصنف سید سلیمان ندوی مرحوم طویل عرصہ اس کے کرتا دھرتا رہے ۔ اسی طرح مولانا حکیم عبدالحئی صاحب نزہتہ الخواطر ان کے بڑے فرزند ڈاکٹر سید عبدالعلی اور چھوٹے فرزند مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (عالم اسلام کے مشہور سکالر اور داعی اسلام) وقتاً فوقتاً کار مختار رہ چکے ہیں ۔ علی میاں اب بھی اس کے حقیقی نگران اور منتظم ہیں ۔ اسی طرح جامعہ ملیہ کے بانی اصولی طور پر مولانا محمود حسن شیخ الہند ہیں اور ہمیشہ ہی اس ادارہ کو ثقہ قسم کے لوگوں کی سرپرستی حاصل رہی افسوس کہ مفتی صاحب نے کسی چیز کا لحاظ نہ فرمایا ——— پھر حیرت ہے کہ انہوں نے ڈاکٹر صاحب

کی تنظیم اسلامی کو جماعتِ اسلامی کا چربہ کیسے قرار دیا۔ حالانکہ ایک اہم موقعہ پر ڈاکٹر صاحب نے کم عمری کے باوجود جماعتِ اسلامی کے اندازِ فکر پر شدید علمی تنقید کی اور اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔

موصوف نے ڈاکٹر صاحب اور تنظیم کے متعلق فرمایا کہ "یہ لوگ ببانگِ دہل چلّا رہے ہیں کہ صرف ہم ہی ہم اسلامی ہیں اور سارے صحیح ادارے اور سارے مسلمان غیر اسلامی ہیں" انا للہ وانا الیہ راجعون۔ نہ معلوم محترم مفتی صاحب نے کس تحریر یا تقریر سے یہ نتیجہ نکالا، اے کاش دوسروں پر اس طرح کے الزام سے متعلق محاسبہ آخرت ہمارے سامنے رہتا۔

آج کل شادیاں جس انداز سے ہوتی ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں۔ ہندوانہ رسومات عام ہیں نکاح کے دن یا آدھ ایک دن قبل مسجد سے رجسٹرار کو بلایا جاتا ہے۔ وہ غریب رجسٹر بغل میں دبائے بے کسی کے انداز میں آتا اور فارم پر کرتا ہے۔ نکاح کے وقت سے بہت دیر پہلے ہی اسے بلا کر پابند کر لیا جاتا ہے۔ وہ غریب اس محفل عیش و طرب میں ایک بے کس و فقیر بے نوا کے سے انداز میں گھنٹوں اپنی قسمت کو کوستا رہتا ہے۔ خطبۂ نکاح جس میں صرف ۴، ۵ منٹ صرف ہوتے ہیں اس کے دوران بھی بدتمیزی کے وسیلوں اسباب موجود ہوتے ہیں۔ سگریٹ کا دھواں، موسیقی کی دھنیں، بڑوں کے قہقہے اور بچوں کا ہنگامہ سبھی کچھ ہوتا ہے لیکن کسی کو توفیق نہیں ہوتی کہ اس طوفانِ بدتمیزی کو روکے۔ ڈوم اور مراثی جو کچھ کرتے ہیں وہ ایک مستقل تکلیف دہ امر ہے، مولوی ایسے موقعہ پر غریب کچھ نہیں کر سکتا۔ اس کے پریشان کن معاشی حالات اسے اجازت ہی نہیں دیتے ورنہ تو سو پچاس روپے فیس نکاح سے بھی محروم ہو جائے۔

اس پس منظر میں اگر کوئی شخص ترغیب دے کر اللہ کی مخلوق کو مسجد میں لے آتا ہے اور انہیں سمجھاتا ہے کہ اس موقعہ پر خطبہ میں پڑھی جانے والی آیات خاص اس مقصد کے لئے ہدایت و رہنمائی کا ذریعہ ہیں ان کا مفہوم و مقصد سمجھ لو، محض انہیں تبرک کے طور پر نہ دہراؤ تو آپ اس پر پل پڑتے ہیں کہ دیکھا اس نے خطبہ کو "جنتر منتر" کہہ دیا ہے حالانکہ وہ غریب محض اس روش پر تنقید کر رہا ہے اور لوگوں کو معقولیت کا راستہ دکھانے کی فکر میں ہے۔ وہ لوگوں کو سمجھانا چاہتا ہے کہ نکاح کا معاہدہ عبادت ہے اس کا مفہوم سمجھو اور قباحتوں سے بچو لیکن آپ اس کی حوصلہ افزائی کرنے کے بجائے اس کے پیچھے پڑ جائیں اور اس طرح کہ گویا کسی غیر مسلم نے اسلامی ریاست پر حملہ کر دیا ہے یا کسی نے اسلامی شریعت کی کسی مسلّم حقیقت سے انکار کر دیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے مسجد میں نکاح کو فرض و واجب نہیں کہا۔ ہاں مسجد کی اہمیت کے پیش نظر اس کی ترغیب ضرور دی کہ مسجد میں نکاح ہو تو نورٌ علیٰ نور ہے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ شادی ہالوں

ہوٹلوں وغیرہ میں جو قباحتیں ہیں ان کے بجائے اللہ کے گھر میں اللہ کے بندوں کا اکٹھا اور اجتماع اور اس کا اہتمام نفع کا باعث ہوگا۔

مفتی صاحب موصوف نے جمع و تفریق کا سلسلہ شروع کر کے ثواب و گناہ کے درجات گنوانے شروع کر دیئے اس تکلّف کی ضرورت نہیں نکاح چھوڑ نماز، درس و تدریس اور حلقۂ ذکر کے دوران بھی اگر کوئی مسجد کا ادب ملحوظ نہ رکھے گا تو اس پر بھی گناہ لازم آئے گا، گناہ تو ہر حال میں گناہ ہے۔

اے کاش کہ حضرت مفتی صاحب مساجد کے معاملے میں بے اعتدالی کے دور کرنے کی غرض سے کوئی اصلاحی چیز تحریر فرماتے تاکہ اہلِ ثروت کو معلوم ہو سکتا کہ سود سے لے کر زکوٰۃ تک کا پیسہ مسجد پر لگانا اور اس کی ظاہری خوبصورتی کا تو اہتمام کرنا لیکن نماز کا اہتمام نہ کرنا کتنا برا عمل ہے۔!

اور سچی بات تو یہ ہے کہ جو شخص نکاح کو اور اس کی مجلس کو قباحتوں سے بچانے کی غرض سے مسجد میں لے آیا ہے وہ مسجد کے آداب کا حاضرین کو کیوں نہ بتاتا ہوگا وہ تو ہر حال میں مسجد کے تقدّس کا لحاظ کرتا ہوگا۔ لیکن افسوس کہ مفروضوں کی بنیاد پر ایک چنگے بھلے عمل خیر کی تائید و تحسین کے بجائے ایسا رویہ اختیار کیا گیا ــــ !!

ڈاکٹر صاحب نے لکھا تھا کہ عیسائیوں میں اپنے مذہب کا احترام، نہیں اور مذہبی روایات یکسر ختم ہیں اس کے باوجود کلیسا اور پادری کا احترام ہے کہ ایسی تقریبات کلیسا میں ہوتی ہیں اور پادری کا حد درجہ احترام کیا جاتا ہے۔ اس پر مفتی صاحب نے " اندرونی راز " کی سُرخی سجا کر مسجد میں نکاح کو کلیسا سے تشبیہ دے ڈالی ــــ انا للہ وانا الیہ راجعون، سوال یہ ہے کہ نیکی کا عمل مسجد میں ہو اور مولوی باوقار طریق سے آئے یہ اچھا ہے یا یہ اچھا کہ نکاح ہوٹل میں ہو اور مولوی بے کسی کا تماشہ بنے ؟

مفتی صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب مسلمان کنواری بچیوں کو بے حجاب کرنے کے دھن میں کلیسا والی بنانا چاہتے ہیں " فیا حسرتا " اے کاش مفتی صاحب محسوس فرماتے کہ خواتین کی بے راہ روی اور بے حجابی پر سب سے زیادہ احتجاج ڈاکٹر صاحب نے کیا جس کی انہیں بھاری قیمت ادا کرنا پڑی اس کے برعکس حضرت مفتی صاحب کا پورا قبیلہ مسلسل آٹھ برس سے موجودہ حکمرانوں کی مدح و توصیف میں مشغول ہے جبکہ اسلامی روایات کا جتنا تمسخر اس دور میں ہوا کبھی نہیں ہوا۔

افسوس کہ حضرت مفتی صاحب نے مفروضات کی آڑ میں طعن و تشنیع کا باب کھولا۔ اگر مسجد

سے ملحقہ ہال جو مسجد کا حصہ نہیں یا ہو تو اس میں عورتیں شرعی حدود کا لحاظ کر کے جمع ہوں، خطبۂ نکاح ہو۔ اور وہیں سے بچی کو رخصت کر دیا جائے تو شرعاً اس میں کیا قباحت ہے؟

یہ ارشاد کہ عورتیں مسجد میں باتیں کریں گی، چغلی، غیبت اور تفاخر کریں گی، بن سنور کر جائیں گی، بچوں کو ساتھ لے جائیں گی جبکہ بچوں کو مسجد سے دور رکھنا لازم ہے اور ممکن ہے کہ حیض و نفاس میں مبتلا ہوں، فوٹو کا اہتمام ہو کر کالجی مولوی اسے برا نہیں سمجھتے (اور اہل دین؟) شور و شغب ہوگا۔ مسجد میں بچوں کے پیشاب کا خطرہ ہے، مرد بھی آجکل پیشاب کر کے بغیر طہارت پتلون پہن لیتے ہیں تو بقول مفتی صاحب یہ سب کام مسجد کے احترام کے منافی ہیں ——— اس میں کسی کافر کو شبہ نہیں لیکن ہم عرض کریں گے کہ مفروضات کے سہارے اچھے کاموں اور اچھی اصلاحی تحریکوں کے متعلق نفرت پیدا کرنا تو اچھا نہیں، آپ کیوں نہیں خیال فرماتے کہ شادی بیاہ کو رسومات اور فضولیات سے بچانے کی جد و جہد کرنے والا مسجد کا لحاظ نہیں کرے گا اور ان باتوں سے متعلق عوام کو آگاہ نہیں کرے گا؟ اگر مفروضات کا ہی سہارا لیا جائے تو زندگی کا نظام معطل ہو کر رہ جائے۔

آج کل لڑکیوں والے بالخصوص متوسط طبقہ کے لوگ جس قسم کی الجھنوں کا شکار ہیں ان کا اندازہ حضرت مفتی صاحب جیسے اہل ثروت علماء کو نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس طبقہ کو جس کی ترجمانی حضرت مفتی صاحب جیسے حضرات فرما رہے ہیں۔ غربت کے سبب رشتہ کا معاملہ الجھ کر رہ جاتا ہے پھر جہیز اور بے ہنگم دعوتوں کا چکر ان غریبوں کا چکر نکال دیتا ہے۔ اس پس منظر میں ڈاکٹر صاحب نے لڑکی والوں کے سلسلہ میں جو دعوت کی بات کہی ہے اور کہا کہ یہ لازم و ضروری ہوتا یا مستحب ہی ہوتا تو حدیث میں کہیں اس کا ذکر ہوتا تو اس میں کیا غلط بات کہی!

یہ صحیح ہے کہ ڈاکٹر صاحب حدیث نہیں پڑھاتے لیکن آپ نے جو حدیث کے حوالے دیئے خود ہی فرمائیں کہ وہ مناسب حال ہیں؟

ارشادِ نبوی کہ "ہدیے دیا کرو اس سے محبت بڑھے گی" سر آنکھوں پر لیکن غریب لڑکی والوں کی دعوت کا لزوم اس میں کہاں ہے؟ دوسری حدیث کہ "جو بغیر عذر دعوت میں شریک نہ ہوگا وہ اللہ اور اس کے رسول کا نافرمان ہے" بالکل بجا لیکن لڑکی والوں کو دبوچنے کے لئے اس حدیث کا حوالہ کیوں؟ اس میں ایسی کونسی علامت یا اشارہ ہے؟

رہ گیا سیدنا فاطمہؓ کی شادی کا قصہ، کہ اس موقعہ پر کھجوروں کا طباق منگوایا گیا اور وہ تقسیم ہوا یا لوٹا گیا تو اللہ کے لئے بتائیں کہ مروجہ دعوت سے اس کا کیا تعلق؟ کھجور یا چھوہارے بالعموم

دولہا والوں کی طرف سے ہوتے ہیں۔ حضور علیہ السلام سیدنا علی کے مربی و سرپرست بھی تھے۔ اور تاریخ خمیس کا جو حوالہ آپ نے دیا اس میں اس کی صراحت نہیں کہ وہ سیدنا علی لائے یا ان کا اہتمام حضور علیہ السلام نے کیا۔ آج بھی اگر ۱۰، ۲۰ روپے کے چھوہاروں کا اہتمام لڑکی والے ہی کرلیں تو اس پر اعتراض نہیں اعتراض اس کمر توڑ دعوت پر ہے جس کا ثبوت آپ کے پاس بھی نہیں۔ حضرت مفتی صاحب نے بدعت کی بحث کو بلا وجہ الجھایا، سب کو معلوم ہے کہ تمدنی ضروریات اور اس نوع کی اشیاء بدعت نہیں۔ بدعت وہی ہے جو دین میں اضافہ ہو۔ باقی برات کی لغوی بحث کا اہتمام کرکے یہ فرمانا کہ چونکہ پہلے سواریاں نہ ہوتی تھیں۔ اس لئے جہیز وغیرہ لانے کی غرض سے برات کا اہتمام ہوا کہ ڈاکو لوٹ کر نہ لے جائیں، جواب سواری اور امن کے سبب گھٹ جائے تو حرج نہیں لیکن گواہ تو بقول مفتی صاحب ضروری ہیں تو سوال یہ ہے کہ گواہوں کا انکار کس نے کیا، اعتراض ہے تو اس برات کی فوج ظفر موج پر جس کا آجکل رواج ہے کم از کم دو چار بسیں اور ۱۰، ۲۰ کاریں تو معمولی بات ہے اے کاش آپ کبھی تنہائی میں غور فرماتے تو آپ کو اندازہ ہوتا کہ یہ کس طرح کے بوجھ ہیں اور غریب لڑکی والے کتنے پریشان ہوتے ہیں، احساس ہو جائے تو آپ بھی یہی فرمائیں جو ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں، اعلان نکاح کا ارشاد تو بہرحال حدیث میں ہے اس میں وسیع پیمانے پر تبلیغ کے نقطہ نظر سے ڈاکٹر صاحب نے اخباری اعلان مناسب سمجھا۔ لیکن انہیں اس پر اصرار نہیں کہ ہر شخص ایسا ہی کرے۔

مقصد اعلان ہے چاہے اس کی کوئی شکل ہو لیکن اعتراض برائے اعتراض کے طور پر حضرت مفتی صاحب اس کو لے کر بیٹھ گئے کہ پندرہ سو سال میں مسلمانوں نے کونسا اخبار میں اعلان کیا؟ فیاللعجب! معلوم ہوتا ہے کہ اندرونی احساس ہے جو موصوف کو قدم قدم پر اعتراض پر ابھارتا ہے۔ اس ضمن میں موصوف کا یہ اعتراض ہے کہ ابھی تو قصدِ نکاح ہے اسے آپ اعلان نکاح کیوں کہہ رہے ہیں؟ بزرگانہ غضب ہے ہم کیا عرض کریں؟

دعوتِ ولیمہ کے ضمن میں ڈاکٹر صاحب نے حضور نبی کریم علیہ السلام کا ارشاد نقل کیا جس کا مفہوم ہے

"دعوتِ ولیمہ اس حیثیت سے کہ اس میں اغنیاء اور صاحبِ حیثیت لوگوں کا خیال ہوتا ہے اور فقراء لوٹا دیئے جاتے ہیں بُری ہے"

مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ دعوت بری نہیں اس کا طعام برا ہے، چلیں قبلہ ایسے ہی سہی، فرمایا کہ جو آپ نے فرمایا اور جو ڈاکٹر صاحب نے کہا انجام کے اعتبار سے اس میں کیا فرق ہے؟

آج جو ولیمہ کی دعوتیں ہوتی ہیں ان میں سینکڑوں نہیں ہزاروں کو بلایا جاتا ہے، احباب واعزہ

سبھی ہوتے ہیں۔ اب بالعموم ہوٹلوں وغیرہ میں اہتمام ہونے لگا ہے۔ لاکھوں کے بل اٹھتے ہیں، وقت کی پابندی نام کو نہیں۔ ۲، ۳ گھنٹہ کی تاخیر معمولی بات ہے۔ پھر وہاں کوئی محتاج راہ پائے تو بہ؟ وہاں تو غریب ڈرائیور تک کا گزر نہیں۔ وہ بے کسی کی تصویر ہوتا ہے اور صاحب گل چھرّے اڑانے میں مصروف! ایسے مواقع پر اسراف، بدنظمی اور کھڑا ہو کر کھانے کے سبب بے پناہ کھانا ضائع ہوتا ہے۔ پیٹ بھرے لوگ بھوکے گدھوں کی طرح ٹوٹ پڑتے ہیں۔ بیرا سٹینڈ تک نہیں پہنچ پاتا کہ یار لوگ پرات الٹ لیتے ہیں۔ کھانے کی جو درگت بنتی اور بے احتیاطی ہوتی ہے اس پر غضب الٰہی کا ڈر لگتا ہے۔ لیکن کوئی فقیر و محتاج صدا لگا دے تو سب غیظ و غضب کا شکار ہو کر اسے دھکے دے کر باہر نکالنے کی فکر میں لگ جاتے ہیں۔

حضور علیہ السلام اور صحابہؓ کرام کی مقدس جماعت میں ایسا نہ تھا وہاں غربا اور مساکین سے ابتدا ہوتی لیکن ہمارے یہاں جاگیرداری سسٹم نے اخلاق و شرافت کے سانچے توڑ دیئے۔ عام غربا کیا اعزہ میں سے غربا کی فکر نہیں ہوتی مخصوص نوع کے مذہبی اداروں سے متعلق مخصوص حضرات کی البتہ ہر جگہ آؤ بھگت ہوتی ہے اور وہ بھی اسی ماحول میں رچ بس کر اسی طرح شریک محفل ہو جاتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے حضرات کو اہل ثروت کے اعمال بد کی سرپرستی کرنا پڑتی ہے جس سے مذہبی اقدار کا جنازہ نکل جاتا ہے۔

کتنی صحیح بات فرمائی حضرت مولانا تھانوی نے؛ ایک شخص نے لکھا کہ آپ کہتے ہیں نکاح سنّت ہے لیکن جو خوشدامن اور بہو شادی سے قبل ایک دوسرے کے لئے بے پناہ محبت و احترام کا اظہار کرتی ہیں وہ شادی کے ایک ہفتہ بعد آپس میں اس طرح گتھم گتھا ہوتی ہیں کہ خاوند پناہ گیر بن کر رہ جاتا ہے؛ مولانا نے فرمایا نکاح تو سنّت ہے لیکن چند منٹ کے خطبے سے قبل اور بعد جو خرافات اور رسومات ہوتی ہیں اور جن بدعات کا ارتکاب ہوتا ہے وہ اس برکت کو کہاں باقی رہنے دیتی ہیں؛

تو آج کل جو معاشرتی جھگڑے اور فسادات ہیں ان کا سبب یہی ہے کہ برائے نام خطبۂ نکاح کے سوا باقی کچھ نہیں ہوتا اور خوب خوب خرافات، اسراف و تبذیر اور ایسی باتیں ہوتی ہیں، ان کی اصلاح ہم سب کا اجتماعی فریضہ ہے نہ کہ ایسی جدوجہد کرنے والے پر پھبتی کسنا۔

رَبُّ العِزّت ہم سب کو اپنی رحمتوں سے نواز کر اصلاحِ اعمال کی توفیق دے اور ایک دوسرے کے ساتھ دینی معاملات میں جذبۂ تعاون سے نوازے۔

ٹینٹ اور ترپال

بنانے کا
ممتاز ادارہ

ایچ نظام دین
اینڈ سنز

مرکزی دفتر

محمد بن قاسم روڈ۔ کراچی

افکار و آراء

مکتوب گرامی ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی بنام شیخ جمیل الرحمٰن

محترمی زاد عنایتہٗ ! السلام علیکم

آپ نے 'میثاق' کے سات شمارے اور پھر اگست کا شمارہ بعد میں ارسال فرما کر ممنون فرمایا۔ اتنی مدت 'میثاق' کے مطالعے سے محروم رہا۔ جس کا مجھے افسوس ہے۔ آپ نے یہ سلسلہ پھر سے جاری فرما کر مجھے ممنون فرمایا: ؎ "وقتِ تو خوش، کہ وقتِ ما خوش کردی"! جزاک اللہ۔

آپ کی مصروفیت اور ڈاکٹر صاحب موصوف کی مصروفیت سے باخبر ہوں لیکن کسی نہ کسی تقریب کے پیدا ہو جانے پہ دل چاہتا ہے کہ آپ دونوں سے ملاقات ہوتی رہے۔

ماہِ مئی کے شمارے میں مراد آباد (بھارت) سے ایک مکتوب کی آخری سطر ہے:

"......... اب آپ کام کرنے والے بنائیں۔ خود کرنے کے بجائے دوسروں سے کام لیں اور ان کی تعلیم و تربیت پر زیادہ توجہ دیں۔"

گو کام مشکل تو ہے۔ مگر ضروری ہے۔

"خیالات و افکار کا پیدا کرنا آسان ہے مگر خیالات و افکار کے بقا و قیام کے لئے اشخاص کا پیدا کرنا مشکل ہے" (بحوالہ الہلال)

لیکن یہ کام ضروری ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے جس کام کا بیڑا اٹھایا ہے وہ تو بڑی عزیمت کا کام ہے۔ اس میں عمریں کھپ جاتی ہیں اور پھر آج کل جب دنوں میں صدیاں بیت رہی ہیں، اس کام میں کامیابی کے لئے عرصۂ دراز درکار ہوگا

"درخت سب بوتے ہیں لیکن ہر شخص کے نصیب میں یہ نہیں ہوتا کہ پھل بھی کھائے۔ پس نہایت مبارک ہے وہ ہاتھ جو تخم پاشی کے بعد ہی اپنے دامن میں اس کے پھلوں کو بھی دیکھے۔" (الہلال)

مگر بالفاظ "الہلال" مرحوم

"خلوص کے لئے موت نہیں اور حق و صداقت کے لئے ناکامی نہیں، دنیا میں ہر چیز مٹ سکتی ہے۔ پر حق و صداقت ہی ایک بیج ہے جو پامال نہیں ہو سکتا"

میں اس سے پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ڈاکٹر صاحب موصوف موم بتی کو دونوں سروں سے نہ جلائیں

ع این رشتہ را مسوز کہ چندیں دراز نیست

یہ چند باتیں ڈاکٹر صاحب سے قلبی تعلق کی وجہ سے زبانِ قلم پر آگئیں وگرنہ من آنم کہ من دانم ــــ ــــ "میثاق" کو تو آپ نے باقاعدہ اور بر وقت شائع کرنے کا اہتمام کر دیا لیکن "حکمتِ قرآن" بھی آپ کے دَمِ عیسیٰ کا محتاج ہے ۔ ابھی تک اس ماہ کا شمارہ نہیں آیا ۔ شاید حسبِ معمول دو ماہ کا یکجا شائع ہو جائے ۔ وقت اور عہد کی پابندی مسلمان کا بنیادی شعار ہے ۔ خط کی طوالت کی معافی چاہتا ہوں ؂

بہ حرفے می تواں گفتن تمنائے جہانے را　　من از شوقِ حضوری طول دادم داستانے را

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا ، محترم ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں سلام عرض کر دیں ۔

طالبِ دعا **شبیر بہادر خان** (ایبٹ آباد)

(۲)

رُوبرو سے متعلق مولانا اخلاق حسین قاسمی مدظلہ کے تاثرات

گرامی قدر حضرت ڈاکٹر صاحب ، السلام علیکم :

آنمحترم نے جامعہ رحیمیہ کی اعانت میں جو توجہ فرمائی ، خدا تعالیٰ اس پر آپ کو اجرِ جزیل عطا فرمائے ۔ خاکسار نے شکریہ کا ایک رسمی خط ارسال کیا تھا ، امید ہے مل گیا ہوگا ۔

ٹی وی پر آنجناب کا انٹرویو پڑھا ، سوالات کی پیچیدگی اور اہمیت کا آپ نے جس احتیاط اور تدبیر سے سامنا کیا وہ قابلِ تحسین ہے ـــ اُن جوابات میں اتنی گہرائی اور پھیلاؤ ہے کہ ایک دفعہ مطالعہ کرنا کافی نہ ہوا ـــ اسے پھر پڑھوں گا ، آپ نے برجستہ جوابات میں اتنا پھیلاؤ کیا ہے کہ کمال ہی کر دیا ،

علوی صاحب اور دوسرے احباب کی خدمت میں سلام مسنون ، ہاں ! میاں عاکف کے بچے کا حادثہ افسوسناک ہے ، آپ کے دونوں بچے صالح اور لائق ہیں ، خداوند عالم اُن دونوں کو آپ کا صحیح جانشین بنائے ، بھائی جمیل الرحمن صاحب کی خدمت میں بھی سلام مسنون ،

طالبِ دُعا

اخلاق حسین قاسمی (دہلی)　　　۲۸ / جولائی ۸۵ء

منکرینِ سنت کے
عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی پر
اعتراضات کا مسکت و مدلل جواب

"عید الاضحیٰ
— اور —
فلسفۂ قربانی"

کتاب میں ملاحظہ فرمائیے جو
ڈاکٹر اسرار احمد
کی ایک تقریر اور ایک تحریر پر مشتمل ہے۔
آفسٹ سفید کاغذ۔ عمدہ طباعت۔ صفحات ۴۸
قیمت چار روپے صرف
تنظیم اسلامی کے مقامی تمام مکتبوں سے حاصل کی جا سکتی ہے۔
— ناشر —
مرکزی انجمن خدام القرآن۔ لاہور ۱۴

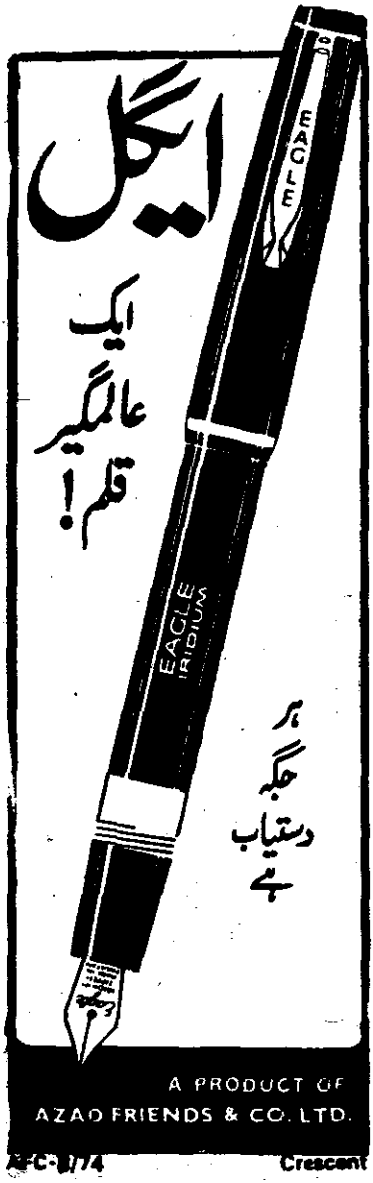

Adarts CAR-2/84

عام طور پر ہمارے یہاں

توحید علمی و نظری — یعنی — توحید فی العقیدہ

پر تو بہت زور دیا جاتا ہے، لیکن

توحیدِ عملی

پر کما حقہٗ توجہ نہیں دیجاتی

ڈاکٹر اسرار احمد

پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ زمر تا سورہ شوریٰ پر تدبّر کے دوران

توحیدِ عملی کے انفرادی اور اجتماعی تقاضوں

یعنی: اخلاص فی العبادت اور اقامتِ دین کی فرضیت

کو خوب منکشف بھی فرمایا اور بیان کی توفیق بھی مرحمت فرمائی، اور

شیخ جمیل الرحمٰن کی محنت نے ان خطابات کو کتابی صورت دیدی

سائز ۱۸×۲۲/۸ ○ صفحات ۱۹۲ ○ عمدہ سفید کاغذ ○ دیدہ زیب کور

ھدیہ: ۱۵ روپے، علاوہ محصول ڈاک

مکتبہ تنظیم اسلامی: ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن ○ لاہور ۱۴

سیرتِ نبوی ؐ کے ضمن میں ۲ دو عظیم تحفے

ڈاکٹر اسرار احمد

صدر مؤسس، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور و امیر تنظیم اسلامی
کے دروس و تقاریر کے ۲ دو مجموعے — اعلیٰ دبیز کاغذ پر خوشنما طباعت کے ساتھ!

رسولِ کامل صلی اللہ علیہ وسلم

یعنی پاکستان ٹی وی سے نشر شدہ ۱۲ تقاریر کا مجموعہ اور

فرائضِ دینی اور اسوۂ رسول ؐ

سورۂ احزاب کے رکوع ۲، ۳ کی روشنی میں

تبلیغی مقاصد کے پیش نظر ○ ہدیہ صرف چھ روپے فی کتاب ○ محصول ڈاک علاوہ

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن ۳۶-کے ماڈل ٹاؤن لاہور

فون — ۸۵۲۶۱۱

ذیلی دفتر: ۱۱ داؤد منزل - نزد آرام باغ، کراچی ۱ ۔ فون برائے رابطہ ۲۱۴۷۰۹

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ

ایک اور اعزاز

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے گزشتہ سالوں کی طرح ۸۳-۱۹۸۲ء کے دوران
بھی ہماری بہترین برآمدی کارکردگی اور وطن عزیز کے لیے کثیر زرمبادلہ کمانے پر فیڈریشن آف
پاکستان چیمبرز آف کامرس اینڈ انڈسٹری کی جانب سے ہم ایک بار پھر

بہترین برآمدی کارکردگی کی ٹرافی

کے مستحق قرار پائے

یہ ٹرافی جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب صدر پاکستان نے ایک پُروقار تقریب میں اپنے ہاتھوں سے ہمیں عطا فرمائی۔

ہمیں خیمے۔ ترپالیں اور کینوس کی دیگر مصنوعات کے سب
سے بڑے برآمد کنندگان ہونے کا بجا طور پر شرف حاصل ہے۔

SNDS

حاجی شیخ نورالدین اینڈ سنز لمیٹڈ

پاکستان میں کینوس مصنوعات کے سب سے بڑے برآمد کنندگان

ہیڈ آفس: حفیظ چیمبرز، ۸۵۔ شاہراہ قائدِ اعظم، لاہور (پاکستان)
فون: ۳۰۶۴۶۸ - ۳۰۵۴۶۹، تار: شاہی خیمہ ٹیلکس: 44543 NOOR PK
ایکسپورٹ آفس: ۶۱۶-۶۱۴ کامرس سینٹر، چھٹی منزل، حسرت موہانی روڈ۔ کراچی (پاکستان)
فون: ۲۱۳۵۴۰ - ۲۱۴۳۸۷، تار: 'TARPAULIN' ٹیلکس: 25480 NOOR PK

Regd. L. No. 7360

MONTHLY "MEESAQ" LAHORE

Vol. 34 | SEPTEMBER 1985 | No. 9

Siddiq Sons Industries Ltd.

Largest Manufacturers & Exporters of :

WATERPROOF COTTON CANVAS, TARPAULINS, TENTS, WEBBING AND OTHER CANVAS PRODUCTS,

HEAD OFFICE :

5-C, 5th FLOOR, SIDCO EVENUE CENTRE
264-R. A. LINES, KARACHI (PAKISTAN)

2-K GULBERG II, SHAHRAH-E-IQBAL, LAHORE.
TELEFHONE : 870512 880731